تحقیق و تفکر

عائشہ خان

فہرست

۱+۱=؟ 2

آخری نبی محمد ﷺ کا طریقہ دعوت 7

الف اللہ چنبے دی بوٹی مرشد وچ لائی ہو 14

اللہ آپ سے محبت کرتا ہے 22

آواز کیا ہے؟ 26

سونا جاگنا کیا ہے؟ 30

دخان۔۔۔؟ 35

ہر شے کی موت دوسری شے کی زندگی ہے اور زندگی موت ہے 39

ہر شے سایہ ہے 44

ہم اللہ کی عطا کردہ نعمت سے محروم کیوں ہیں؟ 48

جوئی چیا۔۔۔ کنفیوشس 54

کائنات... کیا.... کب اور کیوں؟ جنوری ۲۰۱۴ء 62

مادی آنکھ اور غیر مرئی انسان 68

اسلام میں عورت کے حقوق 72

روحانی بندہ 77

شرارتی بچے...83

ا

+۱=؟

یہ مضمون ہر اُس فرد کے لئے ہے جس نے اسکول کی پہلی کلاس میں ریاضی پڑھی ہے۔

ریاضی کے چار بنیادی افعال* ہیں۔

۱۔ جمع ۲۔ تفریق ۳۔ ضرب ۴۔ تقسیم

ریاضی کا قاعدہ ہے،

ایک میں سے ایک کم ہو تو صفر ہے۔

$$1 - 1 = 0$$

ایک جمع ایک کا جواب دو ہے۔

$$1 + 1 = 2$$

ایک سے ایک ضرب کا حاصل 1 ہے

$$1 \times 1 = 1$$

ایک کی ایک سے تقسیم کا جواب 1 ہے۔

$$1 \div 1 = 1$$

کیا آپ اس قاعدے سے متفق ہیں؟

جب کہ میں متفق نہیں۔ وجہ جاننے کے لئے آگے پڑھیئے۔

اسکول میں ذہن کچا تھا۔ مس نے بلیک بورڈ پر جو لکھا، میں نے قبول کر کے طوطے کی طرح یاد کر لیا۔ برسوں گزرنے کے بعد آج ذہن کشمکش میں ہے اور سوال کرتا ہے کہ ٹھیک ہے، ایک میں سے ایک کم ہوا تو صفر (0) ہو گیا یعنی دونوں کی نفی ہو گئی لیکن جب ایک میں ایک جمع کیا تو یہ دو کیسے ہو گئے۔۔۔؟

چیز جمع ہونے سے ایک ہوتی ہے۔ اگر ایک نہیں ہوتی تو اس کا مطلب ہے کہ وہ جمع نہیں ہوئی پھر ایک جمع ایک دو کیسے بنے؟

*افعال (operation) ۱۔ Addition ۲۔ Subtraction ۳۔ Multiplication ۴۔ Division

پانی اور چینی ملنے سے شربت بنتا ہے۔ شربت بظاہر دو چیزوں سے مل کر بنا ہے۔ دو چیزوں کی آمیزش کو ہم دو نہیں سمجھتے، شربت کہہ کر ایک وجود تسلیم کرتے ہیں لیکن جمع کے اس اصول کا اطلاق ریاضی میں نہیں کرتے۔

مٹی کا تیل پانی میں حل نہیں ہوتا، لاکھ کوشش کی جائے، ان کو یکجا نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ ان کی مقداریں مختلف ہیں۔

کائناتی نظام کے تحت جمع کے کلیہ کی بہترین مثال پانی ہے۔ پانی سے پانی ملتا ہے تو کوئی اسے دو پانی نہیں کہتا۔ دریا سمندر میں جمع ہوتے ہیں۔ دیکھنے والا سمندر میں مختلف دریاؤں کے پانی کی نشاندہی نہیں کرتا۔ اگر پانی کی نوعیت دوسرے پانی سے مختلف ہو تو ساتھ بہتے ہیں لیکن جمع نہیں ہوتے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے،

"دو سمندروں کو اس نے چھوڑ دیا کہ باہم مل جائیں پھر بھی ان کے درمیان ایک پردہ حائل ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے۔" (الرحمٰن: ۱۹۔۲۰)

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جمع کا مطلب یکجا ہونا ہے۔ لغت میں یکجا کے معانی تلاش کئے جائیں تو اکٹھا، جمع اور شامل جیسے الفاظ ملتے ہیں۔ دو گلاس قریب رکھ کر کوئی کہے کہ یہ یکجا ہے تو زبان کے لحاظ سے بھی یہ کلیہ درست نہیں۔ یکجا کا مطلب ایک جگہ ہے جب کہ دونوں گلاسوں نے الگ الگ جگہ گھیری ہوئی ہے۔ مختلف یا ایک طرح کی چیزوں کو ساتھ رکھنا "جمع" کی تعریف میں نہیں آتا۔ اگر جمع کی جگہ "اضافے" کا لفظ استعمال کیا جائے تو بھی بات نہیں بنتی۔ شے میں ایک اور شے کا اضافہ کر دیا جائے تو وہ دو نظر نہیں آتی، ایک ہو جاتی ہے۔

اگر یہ جملے پڑھتے ہوئے دماغ میں کھانا پکانے کی تصویر بنتی ہے تو اس کلیے کو بھی سمجھ لیجیے۔ کھانے میں متعدد اجزا شامل کیے جاتے ہیں جو ذائقے کے لحاظ سے کسی حد تک ایک ہو جاتے ہیں مگر شکل و صورت (ساخت) کے اعتبار سے ان کی پہچان برقرار رہتی ہے۔ کچھ مسالا جات اور اجزا سالم نہیں رہتے، پکانے کے دوران حل ہو جاتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان کو پیس کر ڈالا جاتا ہے یا وہ پکنے کے دوران گل جاتے ہیں یعنی ان کی ساخت کا تشخص ختم ہو جاتا ہے۔

یہ منطق نہیں بلکہ ریاضی کے بنیادی قاعدے کو کائناتی نظام کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش ہے۔ جمع کے حقیقی معانی شے کا شے میں داخل ہونا ہے۔ ایک، ایک میں داخل ہو گیا تو وہ دو کیسے بنا؟ آیا دونوں ایک ہو جاتے ہیں یا دونوں کی انفرادیت ختم ہو جاتی ہے۔ پھر ایک جمع ایک دو کیسے ہوئے۔۔؟

ریاضی کا تیسرا فعل ضرب ہے۔

ضرب کا مطلب دہرانا ہے۔

ایک کا ہندسہ موجود ہے۔ کہاں سے آیا، کسی کو نہیں پتہ۔ ایک سے پہلے صفر ہے مگر ماہرین گنتی صفر سے شروع نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ صفر کی اپنی کوئی قدر (value) نہیں، یہ دوسرے ہندسوں سے مل کر قابل قدر بنتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر صفر کی قدر نہیں تو اس کی بنا پر باقی ہندسوں کی قدر کیسے بڑھ جاتی ہے؟

شہنشاہ ہفت اقلیم نانا تاج الدین ناگپوریؒ نے ایک دوہے میں صفر کی اہمیت بیان کی ہے،

مانس ہے سب آتما، مانس ہے سب راکھ
بِندی کی گنتی نہیں، بِدی میں سو لاکھ

ضرب کا مطلب دہرانا ہے۔ایک موجود ہے،دہرانے پر ایک سے دو ہونا چاہیئے لیکن ریاضی کے قاعدے کے مطابق 1x1 کا جواب 1 ہے۔

بچپن میں پہاڑے یاد کئے۔دو کا پہاڑا ہے،

اک	دونی	دو
دو	دونی	چار
دو	تیا	چھ
دو	چوک	آٹھ
دو	پنجے	دس

دو کو دو مرتبہ دہرانے سے چار، تین کو تین مرتبہ دہرانے سے نو اور چار کو چار سے ضرب دینے سے 16 بنتے پھر ایک کو ایک مرتبہ دہرانے کا حاصل دو کیوں نہیں؟

اماں بیٹے سے کہتی ہے کہ سبق یاد کرو۔

جب وہ یاد کرلیتا ہے تو کہتی ہے کہ اسے ایک مرتبہ دہراؤ۔وہ دہراتا ہے۔

پوچھتی ہیں کہ سبق کتنی مرتبہ دہرایا۔

وہ کہتا ہے۔۔۔ایک سے زائد مرتبہ

بچے کا جواب درست ہے۔بتایئے کیسے؟

ریاضی کا آخری فعل تقسیم ہے۔

قاعدہ یہ ہے کہ

ایک کو صفر میں جمع کرنے سے ایک بنتا ہے۔

$1 + 0 = 1$

ایک اور صفر کی تفریق سے ایک باقی رہتا ہے،

$1 - 0 = 1$

ایک کے صفر سے ضرب کا جواب صفر ہے۔

$1 \text{ x } 0 = 0$

مگر ایک صفر سے تقسیم نہیں ہوتا۔

$1 \div 0 = 1$

ایک۔۔۔۔۔ایک سے بھی تقسیم نہیں ہوتا۔

ریاضی میں تقسیم کا قاعدہ دو سے شروع ہوتا ہے۔ دو کہاں سے آتا۔۔۔؟

ایک دو سے تقسیم ہو کر 0.5 بن جاتا ہے لیکن دو کا ہندسہ ایک سے تقسیم ہو کر ایک رہتا ہے۔

$$1 \div 2 = 0.5$$

$$2 \div 1 = 2$$

تین، چار اور پانچ کا ہندسہ بھی ایک سے تقسیم نہیں ہوتا۔ تین، چار اور پانچ رہتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ جب ایک، ایک سے تقسیم نہیں ہوتا تو دو کہاں سے آتا ہے؟ وہی ایک، دو سے کس طرح تقسیم ہو جاتا ہے اور دو ایک سے تقسیم ہو کر دو کیوں رہتا ہے؟

اگر ایک کے ہندسے میں تقسیم کی صلاحیت نہیں ہے تو پھر اس میں جمع، تفریق اور ضرب کی صلاحیت کس طرح ہے؟

دلیل دی جاسکتی ہے کہ شے کی ذات تقسیم نہیں ہوتی، اسی طرح ایک کا ہندسہ بھی تقسیم نہیں ہوتا۔ پلیٹ میں آم ہے۔ اس کے ٹکڑے کئے جائیں تو وہ اپنی ذات کے اندر رہتے ہوئے تقسیم ہوتا ہے یعنی تقسیم ہونے سے ایک آم دو نہیں ہو جاتا۔ سب کہتے ہیں کہ یہ ایک آم کے کئی ٹکڑے ہیں۔

جب ایک، ایک سے تقسیم نہیں ہوتا تو دو، تین اور چار کہاں سے آئے؟ یہ کس کے جمع، تفریق اور ضرب سے بنے؟

اگر آپ ریاضی کے چاروں افعال میں ایک اور ایک کی ایکویشن کو سامنے رکھیں جیسا کہ مضمون کے پہلے صفحے پر ہے تو جو گزارشات پیش کی گئی، ان کو سمجھنا آسان ہو گا۔

ہو سکتا ہے کہ قاری بالخصوص ریاضی کا طالب علم مضمون میں سوالات سے متفق نہ ہو۔ ٹھیک ہے، حق رائے دہی سب کے لئے ہے مگر سوال یہ ہے کہ رائے چاہے اختلاف میں ہو یا تائید میں، کسی بنیاد پر قائم ہوتی ہے۔

ریاضی جمع، تفریق، ضرب اور تقسیم پر قائم ہے۔ یہ اصول کس بنیاد پر متعین کئے گئے ہیں؟ اگر بنیاد فرضی ہے تو پھر ریاضی کیا ہے؟

آخری نبی محمد ﷺ کا طریقہ دعوت

ہر قوم کا ایک نظریہ ہوتا ہے اور اسی نظریہ پر وہ قوم زندہ رہتی ہے۔ جس قوم کا نظریہ مردہ ہو جاتا ہے پھر وہ قوم، قوم نہیں رہتی۔۔۔آدمیوں کا ہجوم بن کر رہ جاتی ہے۔ ہجوم اور قوم میں بہت زیادہ فرق ہے۔بنیادی فرق یہ ہے کہ ہجوم محض پیٹ بھرنے کے لئے زندہ ہوتا ہے۔ان کا بنیادی مقصد پیٹ بھرنا ہوتا ہے۔کوئی خاص نظریہ نہیں۔۔جبکہ قوم کا مقصد محض پیٹ پوجا نہیں ایک نظریہ حیات ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت تمام بنی نوع انسان کے لیے ہے۔آپؐ نے صرف اپنے قبیلے، شہر، قوم یا ملک کو ہی اسلام کی دعوت نہیں دی بلکہ بنی نوع انسان تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا۔ حضور ﷺ نے اسلام کی دعوت کے لیے جو طریقہ کار اپنایا وہ رہتی دنیا تک مثال ہے۔

دعوت کی اہمیت پر قرآن پاک میں دو طرح کے ارشادات ہیں۔

۱۔ایک وہ جن میں دعوت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

۲۔اور دوسرے وہ جن میں طریقہ کار بیان کیا گیا ہے۔

سورۃ النحل میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اے نبی! (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت وہ حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو۔تمہارا رب ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون راہِ راست پر ہے۔'' (۱۶:۱۲۵)

سورۃ المائدہ میں بیان ہوا ہے:

''اللہ اور اس کے رسول کی بات مانو اور باز آ جاؤ، لیکن اگر تم نے حکم عدولی کی تو جان لو کہ ہمارے رسول پر بس صاف صاف حکم پہنچانے دینے کی ذمہ داری تھی۔'' (۵:۹۲)

نبوت کے بعد دعوت کا آغاز خفیہ دعوت سے ہوا اور یہ سلسلہ تین سال تک جاری رہا۔ دعوت عام کے بجائے خفیہ دعوت میں یہ حکمت پوشیدہ ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صرف ان لوگوں کو حق کی طرف بلایا جن پر آپؐ کو اعتماد تھا۔ جو آپؐ کی نظر میں حق بات سننے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ جن کو سمجھایا جا سکتا تھا اور جن میں شرک چھوڑنے اور حق کی طرف آنے کی صلاحیت تھی۔ یہ باشعور لوگ آباؤ اجداد کے فرسودہ طریقہ عبادت سے تنگ تھے۔اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کی پوجا کرتے ہوئے ندامت محسوس کرتے تھے اور خدائے واحد کی تلاش میں تھے۔

خفیہ دعوت کے لیے حضور اصلوۃ والسلام نے حضرت ارقم ؓ کے گھر کو تعلیم کا مرکز قرار دیا۔ یہاں اسلام میں داخل ہونے والوں کو اسلام کے اصول اور آداب سکھائے جاتے تھے۔ یہ شعب ابی طالب تک قائم رہا۔ خفیہ دعوت کے دوران ۱۳۳ افراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لے آئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں جب کہ خواتین میں یہ اعزاز حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حاصل ہے۔

بعث نبوی کے تین سال تک دعوت اسلام کا کام خفیہ رکھا گیا۔ اس کے بعد حکم ہوا کہ اسلام کا دائرہ اپنے رشتہ داروں تک بڑھاؤ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رشتہ کی دعوت کی۔۔۔ انہیں کھانے پر بلایا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے سامنے تقریر فرمائی۔ ”میں تم سب کے لیے دنیا و آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں، دنیا میں کوئی شخص بھی اپنی قوم کے لیے اس سے بہتر تحفہ نہیں لایا۔ میں تمہارے لئے دنیا و آخرت کی خیر و برکت لے کر آیا ہوں۔ لیکن حاضرین نے سنی ان سنی کر دی۔

اس کے بعد اہلِ مکہ کو دعوت اسلام دینے کا حکم ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کوہِ صفا پر تشریف لے گئے اور اہلِ مکہ آواز دی۔ جب تمام قبائل اکٹھے ہو گئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے مخاطب ہوتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ ”اگر تم اس بات کا اقرار کرو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں تو میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارے حق میں گواہی دوں گا اور تمہاری سفارش اور شفاعت کروں گا۔

اے قوم قریش! اگر تم نے کلمہ توحید قبول کر لیا تو تمام عرب تمہارا دین اختیار کرے گا اور تمہارے طریقے کی پیروی کرے گا۔ اس کے علاوہ عجم تمہارا فرمانبردار ہو جائے گا۔“

مجمع خاموش رہا۔ لیکن ابو لہب نے شدید غصے کا اظہار کیا۔ اس کے بعد آپ ؐ تبلیغ حق کی خاطر مکہ میں عکاظ، ذوالجنہ اور ذوالمجاز کی مندیوں میں تشریف لے گئے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طائف کا سفر کیا۔ اس کے بعد کئی اور قبائل کے پاس گئے اور انہیں حق کی طرف بلایا۔

بعث کے بعد سے ہجرت تک مکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قیام رہا۔ اس مدت میں مشرکین کی طرف سے آپ ﷺ پر جس طرح عرصہ زیست تنگ کیا گیا وہ دل گداز داستان ہے۔ یہ ساری مدت آپ ﷺ نے انتہائی صبر و تحمل کے ساتھ گزاری۔

تیرہ سال میں قرآن کریم کا بیشتر حصہ مکہ میں نازل ہوا۔ قرآن پاک کی وہ سورتیں جو ابتدا میں نازل ہوئیں اسلام کی بنیادی تعلیمات ہیں۔

سورۃ العلق میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔''(۹۶:۱۔۲)

''جس نے قلم کے ذریعے (علم) سکھایا۔''

سورۃ فاتحہ میں ارشاد ہے ''سب تعریف اللہ کے لیے جو تمام عالمین کا رب ہے۔''(۱:۲)

''مشرق و مغرب کا رب وہی ہے۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں لہذا اس کو اپنا وکیل بنالو۔''(۷۳:۲)

''ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں جوابدہ ہے۔'' (۳۸:۷۴)

''آپ فرمادیجئے روح میرے رب کے امر سے ہے اور جو کچھ تمہیں علم دیا گیا ہے وہ قلیل ہے۔''(۸۵:۱۷)

قریش یہ ساری باتیں سنتے تھے اور پوری شدت و رعونت کے ساتھ ان سچی باتوں کو ماننے سے انکار کر دیتے تھے۔ جو شخص ان کے سامنے آیات قرآنی تلاوت کرتا اس کے خون کے پیاسے ہو جاتے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تلاوت کرتے تھے تو وہ لوگ فقرے کسا کرتے۔ وہ یہ مطالبہ بھی کرتے تھے اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام واقعی سچے ہیں تو اپنے سچ پر کوئی مستند دلیل لے کر آئیں۔ اس مطالبے کے جواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قرآن کی وہ آیات تلاوت فرماتے تھے جن میں اس تمسخر کا شافی جواب تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مذاق اڑانے والوں سے فرماتے تھے کہ اگر ان کے بس میں ہے تو اس قرآن کا جواب دیں۔ مشرکین قرآن کا مثل پیش کرنے سے قاصر تھے اور اس بات کی دلیل تھی کہ یہ کلام واقعی کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

غرض اللہ تعالیٰ کے احکام وایات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہت اچھی طرح بہت واضح طور پر واشگاف الفاظ میں بیان فرمائے۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہجرت کا حکم دیا۔ یہ حکم اس وقت ملا جب آپؐ راہ حق و صداقت میں ہر تکلیف برداشت کر چکے تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یثرب تشریف لائے تو یثرب میں زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ اسلام کی ترویج کا نیا راستہ کھل گیا۔ یہاں مختلف طرح کے لوگ تھے۔ ہجرت سے پہلے بھی یثرب میں مسلمان موجود تھے۔ یثرب میں مشرکین بھی تھے لیکن ان کے دل اسلام سے ناآشنا تھے اور انہی کی کثرت تھی۔ ان میں سے کچھ ایسے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے قبول اسلام کی توفیق عطا فرمائی۔

ان میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا۔ اپنے کفر کو چھپایا اور منافقت کی زندگی بسر کرنے لگے۔ یہاں یہود بھی تھے جو اپنے دین و مذہب کے علمدار تھے اور اب وہ اپنے اندر اتنی لچک پیدا کرنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ یثرب کی اس نئی زندگی سے جس حد تک ممکن ہو موافقت پیدا کرلیں اور یہاں جو مختلف گروہ آباد تھے ان سے منافقانہ تعلقات قائم رکھیں۔

یثرب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کسی معنی میں بھی حیات مکہ سے سہل اور آسان نہیں تھی۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے راضی بہ رضا صبر اور شکر کے ساتھ حالات کو قبول کیا۔ یثرب میں بہر حال مکے کے مقابلے میں امن تھا۔ یہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مہاجرین مکہ اور انصار یثرب کے مابین مواخات (برادری) کا رشتہ قائم کیا۔ وحی کا سلسلہ جاری تھا جو کچھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوتا لوگوں تک پہنچا دیتے تھے۔ اس طرح صحابہ ؓ کی تعلیم و تربیت ہو رہی تھی۔ یثرب میں مسجد نبوی ؐ کی تعمیر ہوئی اس مسجد میں خدائے بزرگ و برتر کی عبادت ہوتی تھی۔ یہاں مہاجرین و انصار کی مجلسیں ہوتی تھیں اور ان مجالس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حاضرین کو اسلام کی تعلیم دیتے تھے۔

''در حقیقت رات کا اٹھنا نفس پر قابو پانے کے لیے کارگر اور قرآن ٹھیک پڑھنے کے لیے زیادہ موزوں ہے۔'' (۶:۷۳)

رسول اللہ ﷺ نے دعوت دین میں بڑا منظم طریقہ اختیار فرمایا ہے اور اس کے اصولوں کا خاص خیال رکھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساری زندگی شہادت فراہم کرتی ہے کہ آپ ؐ نے اسلام کی دعوت کا کام انفرادی کردار سے انجام دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کچھ کہا حکم ربی کے مطابق فرمایا اور اس پر عمل کر کے دکھایا۔ کوئی ایک مثال ایسی نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہو اور اس پر عمل نہ کیا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی اعلیٰ سیرت اور حسن اخلاق سے لوگوں کے دلوں میں جگہ بنائی۔ دشمن دوست بن گئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیشہ عفو و درگزر سے کام لیا۔

امیر المومنین حضرت علی ؓ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام خوش مزاج، نرم خو اور مہربان تھے۔ سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے۔''

یمامہ کے سردار ثمامہ کا واقعہ گواہ ہے کہ وہ صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر اسلام میں داخل ہوئے۔ فتح مکہ کے موقع پر اور اس کے بعد لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے۔

جو قوت انقلاب برپا کر دیتی ہے وہ قول و فعل میں ہم آہنگی ہے۔ دعوت دینے والے کے قول اور عمل میں تضاد ہے تو اس کا پیغام قابل قبول نہیں ہوتا۔ وہ اپنا اثر کھو دیتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو بھی کیا وحی الٰہی کے عین مطابق کیا اور جو کہا اس پر پوری طرح عمل کیا۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قرآن کی عملی تفسیر ہیں۔

دعوت اسلام پر غور کرنے سے یہ بات روشن دن کی طرح ظاہر ہوتی ہے کہ آپ ؐ نے ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل یقین کیا ہے۔ مشکل سے مشکل وقت میں بھی مایوس نہیں ہوئے۔ طائف کا واقعہ گواہ ہے کہ اذیتوں کے بعد بھی مایوس نہیں ہوئے۔ بددعا کے بجائے دعا فرمائی۔ یقین تھا کہ

ان کی نسلوں سے لوگ مسلمان ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسے کا یہ عالم تھا کہ حالات کیسے بھی ناسازگار ہوئے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی مایوس نہیں ہوئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر ایک کے لیے دل میں محبت، ہمدردی، دل سوزی اور شفقت کا جذبہ رکھتے تھے۔ آپؐ لوگوں کو مصیبت میں دیکھ کر پریشان ہو جاتے تھے۔

ایک موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

''ایک شخص نے الاؤ جلایا۔ آگ کے شعلے دیکھ کر پروانے ٹوٹ پڑے اس شخص نے ہاتھ ہلا ہلا کر انہیں بچانے کی سر توڑ کوشش کی مگر پروانے گر رہے تھے۔ یہی مثال میری ہے میں تمہیں جہنم کی آگ سے بچانے کی کوشش کرتا ہوں۔ اور تم اس آگ میں چھلانگ لگانے پر تلے ہوئے ہو۔''

دعوت کے وقت انسانی نفسیات، ذہنیت، سمجھ بوجھ اور حالات کو ہمیشہ مدِ نظر رکھا۔ یک لخت کسی پر بوجھ نہیں ڈالا۔ قوم کو آہستہ آہستہ اس لافانی پیغام کے لیے تیار کیا۔ لوگوں کو سوچنے کا موقع دیا۔ دین اسلام کے لیے دلوں میں جگہ بنائی۔ عمل اور احسن سلوک سے صادق اور امین کی مثال روشن کی۔ اور پھر اسلام کی طرف بلایا۔ موقع و محل کو مدِ نظر رکھ کر گفتگو فرماتے تھے۔ مخالفین سے خلوص اور احترام سے بات فرماتے تھے ان کے دلائل حوصلے سے سنتے تھے اور ایسے جواب دیتے کہ وہ تفکر کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ طویل تقریر سے اجتناب فرماتے تھے جزباتی نہیں ہوتے تھے۔

جذبات کا اثر فوراً ہوتا ہے اور جب تک جذبات میں تلاطم رہتا ہے، اثر قائم رہتا ہے۔ جونہی جذبات سرد پڑتے ہیں اثر بھی ختم ہو جاتا ہے۔ جبکہ دلائل سے سمجھائی ہوئی بات کا اثر دیرپا ہوتا ہے۔ جو فیصلہ انسان سوچ سمجھ کر کرے اس پر قائم رہتا ہے۔

طریقہ تعلیم یہ تھا کہ لوگوں کو تفکر پر مجبور کر دیتے تھے۔ فکر و تدبر کے لیے تیار کرتے تاکہ سچائی کو تسلیم کریں۔ آپؐ لوگوں کو اسلام کے اصول و ضوابط سمجھانے کے لیے، توحید و رسالت کا قائل کرنے کے لیے بھی عقلی اور مشاہداتی دلائل دیتے تھے۔

مناظرہ اور بحث مباحثے سے پرہیز فرمایا کیونکہ اکثر اوقات مناظرہ اور بحث مباحثہ سچائی کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ مخالف بات سمجھنے کے بجائے اپنی ساری توانائی اور صلاحیت مخالف کے دلائل کو رد کرنے میں صرف کر دیتا ہے فتح و شکست کو وہ انا کا مسئلہ بنا لیتا ہے۔ اصل مقصد سے ہٹ کر مخالف کو نیچا کرنے کی کوشش شروع ہو جاتی ہے۔

تعلیم و تربیت کے سلسلے میں ہر شخص کی ذہنی سطح کا پورا پورا خیال رکھتے اور لوگوں سے ان کے فہم کے مطابق گفتگو فرماتے تھے۔ایک شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میرے یہاں لڑکا پیدا ہوا ہے، جو سیاہ رنگ کا ہے۔ میں نے اُسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ ہم دونوں میاں بیوی سفید ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی سمجھ اور پیشہ کے مطابق مرحمت فرمایا۔اس سے پوچھا

کیا تمہارے پاس کچھ اونٹ ہیں؟

اس نے کہا۔ ''جی ہاں۔''

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پھر پوچھا۔ ''وہ کس رنگ کے ہیں؟''

اُس نے کہا'' سرخ رنگ کے۔''

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پھر دریافت فرمایا،

'' کیا ان میں کوئی خاسری کا یا کم سیاہ رنگ کا کوئی اونٹ بھی ہے ؟''

اس نے کہا۔ ''جی ہاں۔''

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ ''اب تم ہی بتاؤ کہ سرخ رنگ کے اونٹوں میں یہ سیاہی کیسے آگئی۔''

اس نے جواب دیا۔ ''ممکن ہے اس کے نسب میں کوئی اونٹ خاکستری یا سیاہ رنگ کا ہو اور اس کی جھلک ہو۔''

جب بات یہاں تک پہنچ چکی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نسب کا کرشمہ کارفرما ہو اور اس میں تمہاری بیوی کا کوئی قصور نہ ہو۔''

آسان راستہ بھی ایک اصول تھا، جسے حضورؐ احکام و عبادات میں خصوصیت سے مدِ نظر رکھتے تھے۔لوگوں کو اس بات سے منع فرماتے تھے کہ احکام و مسائل میں مشکلات یا تنگی سے کام نہ لیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

لوگوں کو تعلیم دو اور آسانی پیدا کرو اور مشکلات سے پرہیز کرو۔ یہ بات سورج کی طرح عیاں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بطور معلم و مبلغ سب سے زیادہ کامیاب ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ حیات میں ہی اسلام پورے عرب میں پھیل گیا تھا اور سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ

ہزاروں کی تعداد میں صحابہ کرامؓ کی تعلیم و تربیت فرمائی جو بلند اخلاق، پختہ ایمان والے اور اعلیٰ سیرت و کردار کے حامل تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سب کو اسلام کا معلم و مبلغ بنا دیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت ہر دور، ہر زمانے، ہر ملک اور ساری دنیا کے لیے روشن مثال ہے۔

الف اللہ چنبے دی بوٹی مرشد وچ لائی ہو

"وہ جس نے آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر کی چیزوں کو چھ دن میں پیدا کیا۔ پھر عرش پر قرار پکڑا وہ رحمٰن ہے۔ تو اس کو کسی خبر دار سے پوچھ۔" (۲۵: ۵۹)

الف اللہ چنبے دی بُوٹی
مرشد من وچ لائی ہو
نفی اثبات دا پانی ملیا
ہر رگے ہر جائی ہو
اندر بوٹی مشک مچایا
جاں پُھلن تے آئی ہو
چر جگ جیوے مرشد باہو
جے اے بوٹی مَن لائی ہو

الف ...... یہ پہلا حرف ہے جو بچہ اسکول میں سیکھتا ہے۔ انگلش میں A، ریاضی میں 1 اور اردو میں الف سے تدریسی عمل کی ابتدا ہوتی ہے۔ الف کے بعد ب سکھایا جاتا ہے کہ تین مختلف سمتوں میں الف بنانے سے ب بنتا ہے۔ انگریزی میں b کی بھی یہی کہانی ہے۔ فرق یہ ہے کہ b اور ب کو مخصوص شکل دینے کے لیے الف کے آخری حصے کو Curve کر دیا جاتا ہے۔ اور یوں الف مختلف صورتوں میں ڈھلتے ڈھلتے اردو میں ے اور انگلش میں Z پر ختم ہوتا ہے۔ ختم کا لفظ اس لیے استعمال ہوا کہ ذکر مادی علم کا ہے۔ مادی علم محدود ہے، جس کی بالآخر حد مقرر ہے۔ لیکن اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ حرف ب ہو، ج، دیا پھرے ...اسی طرح B ہو K,Q یا Z۔۔۔ سب کی بنیاد الف ہے۔ سب الف سے شروع ہوتے ہیں،

الف ان میں ربط قائم کرتا ہے اور الف پر یہ ختم ہو جاتے ہیں۔ قاعدہ یہ بنا کہ یہاں جو کچھ ہے وہ الف ہے اور الف مختلف صورتوں میں اپنا مظاہرہ کر رہا ہے۔

قارئین! قلم اٹھایے اور مشق کیجیے۔ اردو کے حروف تحریر کیجیے، اس طرح کہ کہیں بھی الف کو موڑا نہ جائے۔ جب آپ الف سے ے تک حروف تہجی لکھیں گے تو بات سمجھ میں آ جائے گی۔ اس قاعدے کو لکھنے میں تھوڑی مدد ہم آپ کی کر دیتے ہیں، اسے مکمل آپ کیجیے۔

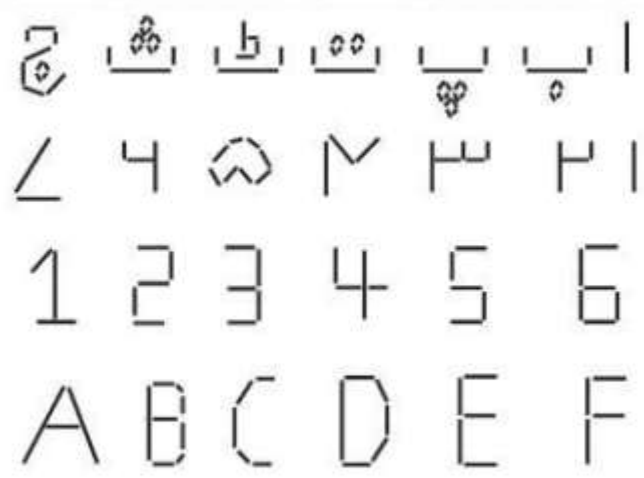

✧✧✧✧

کائنات میں ہر شے شکل و صورت رکھتی ہے کیونکہ مخلوق کی تعریف یہ ہے کہ مخلوق کی شکل و صورت ہو۔ شکل و صورت سے مراد خد و خال۔ حدود، ضابطے اور قاعدے کا تعین ہے مخلوق جس کی پابند ہے۔ صرف اللہ وحدہ لاشریک کی ذات شکل و صورت سے ماورا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے:

"سو تم جس طرف منہ کرو، وہاں اللہ ہے۔" (۱۱۵:۲)

اللہ کی روشنی ہے آسمانوں کی اور زمین کی۔ کہاوت اس روشنی کی، جیسے ایک طاق اس میں ایک چراغ، چراغ ایک شیشے میں۔ شیشہ جیسے ایک تارا ہے چمکتا، تیل جلتا ہے اس میں ایک درخت برکت کے سے۔ وہ زیتون ہے، نہ سورج نکلنے کی طرف نہ ڈوبنے کی طرف، لگتا ہے اس کا تیل کہ سلگ اٹھے گو ابھی نہ لگی ہو اس میں آگ۔ روشنی پر روشنی، اللہ راہ دیتا ہے اپنی روشنی کی جس کو چاہے اور بتاتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کو۔ اور اللہ سب چیز جانتا ہے۔"

(۳۵:۲۴)

۱۔ اللہ ۲۔ روشنی ۳۔ آسمان ۴۔ زمین ۵۔ مثال یہ ہے کہ طاق ۶۔ طاق میں قندیل ۷۔ قندیل میں چراغ ۸۔ قندیل ایسی جیسے چمکتا ہوا ستارا ۹۔ زیتون کا تیل (زیتون کے تیل میں دھواں نہیں ہوتا) ۱۰۔ سمت، مشرق نہ مغرب ۱۱۔ روشن ایسا جیسے بھڑکتی آگ ۱۲۔ تہہ در تہہ روشنی ۱۳۔ اللہ جس کو چاہتا ہے اس کو ہدایت دیتا ہے ۱۴۔ اور مثالیں دے کر فارمولے بیان کرتا ہے ۱۵۔ اور اصل حقیقت کیا ہے۔۔۔ یہ اللہ جانتا ہے۔

ایک بار پھر حروف تہجی کی طرف آیئے۔ حرف سے لفظ، لفظ سے جملے سے مضمون بنتا ہے۔ حروف کی مشق آپ کر چکے ہیں۔ اب ان حروف سے لفظ بنایئے جیسے کہ درخت ۔ ہمیں معلوم ہے کہ کائنات میں مخلوق کی پہچان شکل وصورت کی بنیاد پر ہے۔ لفظ ہو، جذبہ یا ارادہ، سب شکل و صورت رکھتے ہیں۔ لفظ درخت سنتے ہی دماغ میں درخت کی تصویر بن جاتی ہے بالکل ایسے جیسے لفظ محبت سن کر نرمی، شفقت اور تحفظ کا احساس ہوتا ہے۔ غصہ یا نفرت جیسے الفاظ جب سماعت سے ٹکراتے ہیں تو بندہ ان کی شدت محسوس کرتا ہے۔ اس لیے کہ یہ سب مخصوص خد و خال رکھتے ہیں۔ جب ہم درخت کی بات کرتے ہیں تو ہم جانتے ہیں کہ درخت کے تمام حروف الف کی تبدیل شدہ شکل ہیں۔ یعنی حروف تہجی کی طرح درخت میں الف کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن ہمیں تو درخت میں الف کے سوا سب کچھ نظر آتا ہے۔ جبکہ الف کا قاعدہ بتاتا ہے کہ درخت الف کے سوا کچھ نہیں۔۔ قارئین! ہم کیا دیکھ رہے ہیں اور ہمیں کیا نظر آرہا ہے۔۔؟ ہم دیکھتے ہوئے بھی کچھ نہیں دیکھ رہے۔ سڑک پر اس پانی کی طرح جو سورج کی روشنی کی وجہ سے دور سے نظر آتا ہے لیکن قریب جا کر معلوم ہوتا ہے کہ سڑک تو شروع سے لے کر آخر تک خشک ہے، جو دیکھا محض نظر کا دھوکہ (Illusion) تھا۔

”کیوں بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو نہیں رکھتے دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ نصیحت تو وہی پکڑتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔ (۹:۳۹) “

مادیت (Materialism) کے خول میں بند زندگی حقیقت کا سراغ نہیں دے سکتی ۔ حقیقت تک پہنچنے کے لیے بنیاد کو تلاش کرنا اور اس سے واقف ہونا ہے۔ قرآن کریم سورۃ نور میں اس بنیاد کو نور کہتا ہے۔ سائنس دان بھی یہ بات مانتے ہیں کہ کائنات میں ہر چیز روشنی کے غلاف میں بند ہے۔ یہ روشنی تصورات کو مادے میں تبدیل کرتی ہے اور ہمیں آدمی، جانور، نباتات سمیت مختلف شکلیں نظر آنا شروع ہو جاتی ہیں۔

عظیمی صاحب اپنی کتاب نظریہ رنگ و نور میں لکھتے ہیں کہ یک ذات (آدمی) اور کل ذات (بنیاد) کے درمیان روشنی ایک پردہ ہے۔ اس روشنی کے ذریعے کل ذات کے تصورات یک ذات کو موصول ہوتے ہیں۔ کل ذات جو اطلاعات یک ذات کو دیتی ہے ان اطلاعات کو روشنی رنگ و روپ اور Dimension (نقش و نگار) دے کر یک ذات تک پہنچاتی ہے۔ یعنی بندہ اگر روشنی سے واقف ہو جائے تو پردہ ختم ہو جائے گا اور وہ تخلیقی فارمولوں سے واقف ہو جائے گا۔ اس روشنی سے واقف ہونے کے لیے ہر شے میں الف کو دیکھیے۔ اب زاویہ نگاہ ہونا چاہیے کہ درخت میں الف کی ایک شکل ہے۔ درخت کو غور سے دیکھیے۔ تنے سے لے کر شاخوں اور پتوں تک ۔ انتہا یہ کہ پتوں پر بنی ہوئی لکیروں میں بھی الف موجود ہے۔۔ ہمارے ہاتھوں کی لکیروں کی طرح جو سوائے الف کے کچھ نہیں کہتیں۔

اولیاء اللہ حضورؐ کے روحانی علوم کے وارث ہیں۔ آپؐ کے پیغام کا پرچار کرتے ہیں اور اللہ کی خوشنودی کے لیے جیتے مرتے ہیں۔ اللہ کے ان دوستوں کا یقین ہے کہ ہر چیز میں اللہ کا نور ہے۔

اللہ کے ایک دوست اپنے شاگرد کو نفی اثبات کے رموز کا قانون سکھا رہے تھے۔ جب وہ بزرگ فرماتے "لا الٰہ" تو یہ کہتے ہی وہ بزرگ، جس مکان میں تھے وہ مکان غائب ہو جاتا ہے۔ اور جب وہ کہتے "الا اللہ" تو سب آموجود ہوتا۔ (کتاب تربیۃ العشاق)۔ ایسا اس لیے کہ اللہ کے دوست ہر شے میں اللہ کے نور کو گردش کرتا دیکھتے ہیں۔ یہی نور خد و خال تخلیق کرتا ہے، خد و خال میں حرکت پیدا کرتا ہے اور جب اس نور کا تعلق جسم سے ٹوٹتا ہے تو حرکت ختم ہو جاتی ہے اور بندہ مٹی کے سوا کچھ نہیں رہتا۔ ایسی مٹی جو قرآن کریم کے مطابق کھنکھناتی ہوئی اور بجتی ہے۔ جس میں خلا ہے۔ اس خلا میں موجود اللہ کا نور زندگی کو قائم رکھتا ہے۔

زندگی کا تجزیہ کیجیے۔ اس میں موجود اسباب و وسائل کو ذہن میں لایئے اور کائنات اور خالق کے ربط پر غور کیجیے۔ ذہن کے دریچے کھلیں گے اور یہ امر روشن ہو گا کہ یہ نور ماں کی محبت میں اور بچے کی ہنسی میں ہے۔ آنکھوں کے نور میں اور دلوں کے سرور میں ہے۔ دھڑکنوں میں اور سانس کی روانی میں ہے۔ پرندوں کی بولیوں میں۔ ہرے بھرے پتوں میں اور رنگ رنگ پھولوں میں ہے۔ پھولوں کی خوشبو میں اور پھولوں کی مٹھاس میں ہے۔ رات کی خاموشی اور صبح کی تازگی میں۔ چاند کی ٹھنڈک میں اور سورج کی حدت میں ہے۔ سمندر کے سکوت میں اور طغیانی میں بھی ہے۔ ہر سُر اور ہر تال میں ہے۔ ہواؤں کی سنسناہٹ اور پتوں کی سرسراہٹ میں ۔ ہر ادنی اور ہر اعلیٰ میں، ہر پست اور ہر بالا میں ہے۔ خشکی میں ہے تری میں ہے۔ بحر میں ہے اور بر میں ہے۔ جگمگ کرتے ستاروں اور فلک کے اجرام میں ہے خزاں اور بہار میں ہے، آندھیوں کے غبار میں ہے۔ تنہائی میں ہے رفاقت میں ہے۔ گردشِ لیل و نہار

میں ہے۔ بلند و بالا کوہساروں میں ہے۔ ذرے ذرے میں چمکتا ہے، اسی کا نور دمکتا ہے۔ وہی سماعت ہے، وہی بصارت ہے، وہی لمس ہے، وہی شامہ ہے اور وہی گویائی ہے۔ ہر ذرے میں ہے اور پوری کائنات اللہ کے اندر ہے۔

کائنات حوض کی مانند ہے۔ تجربہ کیجیے اور کسی حوض میں کنکر پھینکیے۔ آپ کو اور جتنے لوگ وہاں موجود ہیں سب کو بہت چھوٹے۔۔۔ چھوٹے۔۔۔ بڑے اور بہت بڑے دائرے نظر آئیں گے۔ یہ دائرے مرکز سے شروع ہو کر تالاب کے کناروں تک پھیل جائیں گے۔ انھیں دائرے کہا جائے یا لہریں۔ تالاب میں ابھرنے والی ہر لہر یا دائرہ ایک نوع ہے۔ تالاب میں دائروں کا متحرک ہونا اس راز کا اظہار ہے کہ دائروں کا وجود تالاب کے اندر موجود تھا۔ کنکر پھینکنے سے یہ وجود سطح تک پہنچا۔

"اور (اللہ) وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا۔ اور جب وہ کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔" (۶:۷۳)

اس بات کو اس طرح سمجھئے کہ ایک تالاب ہے۔ اس تالاب میں پانی ہے یعنی علوم کے ذخائر ہیں۔ تفکر جب مظہر بنتا ہے تو تالاب میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ دائرہ در دائرہ۔۔۔ دائرے بنتے ہیں اور پانی کی مخفی صلاحیت ظاہر ہوئی ہے اگر ہر دائرہ کو تخلیق عملی سمجھ لیا جائے تو ان شاء اللہ بات واضح ہو جائے گی۔

"ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔" (۲:۱۵۶)

دائرے بن رہے ہیں، چھپ رہے ہیں۔ دائرہ، زیر و یا نقطہ ایک ہی صورت کے مختلف نام ہیں۔ دائرہ کی بساط بھی الف ہے اور یہ الفاللہ کا نور ہے۔ یعنی دائرہ بھی اپنے وجود اور تعارف کے لیے الف کا محتاج ہے۔

"زمین پر جو کچھ ہے فنا ہونے والا ہے۔ اور باقی رہے صاحب عظمت احسان کرنے والے تیرے رب کی ذات۔" (۵۵)

شام کو ٹہلتے ہوئے جب میں زمین پر بکھرے پتوں کے ڈھیر پر بیٹھے بگلوں کو دیکھتی ہوں تو بظاہر یہ بگلے ساکت نظر آتے ہیں لیکن در حقیقت یہ سر جھکائے ارد گرد سے بے خبر نہایت عاجزی سے خالق کے حضور اپنی کم مائیگی کا اعتراف کرتے ہیں اور اس کی رحمت کے طلب گار ہوتے ہیں۔ کنارے سڑک پر پودوں کی ترنگ نرالی ہے ہر پتا ہنستا ہے، غمگیں ہوتا ہے، پیدا ہوتا ہے اور مرتا ہے۔ سرخ اور پیلے پھولوں سے شوخی جھلکتی ہے۔ جھکی ٹہنیوں اور آشیانوں پر بیٹھے پرندے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ ٹھنڈی تازہ ہوا جب ان درختوں، پھولوں اور پرندوں سے ٹکراتی ہے تو انھیں مسرور کر دیتی ہے جیسے نوید دے رہی ہو کہ رب ذوالجلال نے ان کی بندگی

قبول کو کر لیا ہے۔ اور یہ خوشی سے سرشار ہو کر پھر اللہ کی یاد میں محو ہو جاتے ہیں۔ اللہ کو فطرت کے نظاروں میں تلاش کرتے ایک شاعر ڈاکٹر شانتی سروپ بھٹنا گر اپنی حمد میں لکھتے ہیں:

پہنچ کے نیچر کی کارگہ میں
جو میں نے یہ اہتمام دیکھا
گلوں کو نظارہ کوش
موجِ نسیم کو ہم کلام دیکھا
خدا کے جلووں میں غرق ذروں کو
رشکِ ماہِ تمام دیکھا
ہر ایک شے پہ ہے جس کی،
نظر ہے جس پر ہر ایک شے کی
اسی کو روحِ خواص پایا
اسی کو جانِ عوام دیکھا
میں ہو کے بے خود پکار اٹھا
خدا یہیں ہے خدا یہیں ہے

زندگی میں جو عمل انسان کو استحکام بخشتا ہے وہ اللہ سے تعلق ہے۔ بچوں کی تربیت اس نہج پر کیجیے کہ وہ صاحب یقین بنیں۔ ضروری ہے کہ اللہ سے تعلق مستحکم ہو پورا پورا بھروسہ ہو، قناعت ہو۔۔۔۔بچے وہ کرتے ہیں جو ماں باپ کرتے ہیں زبان ماں باپ کی بولتے ہیں کیونکہ وہ ایسے زون میں داخل ہو جاتا ہے جہاں الف سے واقف ہو کر زندگی بندگی بن جاتی ہے۔

الف اللہ چنبے دی بُوٹی

مرشد من وچ لائی ہو
نفی اثبات دا پانی ملیا
ہر رگے ہر جائی ہو
اندر بوٹی مشک مچایا
جاں پھلن تے آئی ہو
چر جگ جیوے مرشد باہو
جے اے بوٹی مَن لائی ہو

بقول جوش بدایونی :

اس کی رحمت جہاں ہے جس پر ہے
وہی تقدیر کا سکندر ہے
خالق کائنات کون و مکاں
معرفت ہو تو دل کے اندر ہے
عکس وحدت ہے رنگ کثرت میں
بے حجابی ، حجاب پرور ہے
ہے وہی قادر حیات و ممات
انحصارِ نجات اس پر ہے
حمد کرنا خدائے برحق کی

یہ بھی فیضِ خدائے برتر ہے
کشتی ناتواں ہے عمر رواں
زندگی کرب کا سمندر ہے
جوش! کیا خوف مجھ کو طوفان کا
ناخدا جب خدائے برتر ہے

اللہ آپ سے محبت کرتا ہے

شام کا وقت ہے ، آفتاب غروب ہو رہا ہے ، درختوں پر بیٹھے پرندے دن کا آخری گیت گا رہے ہیں ، پانی نشیب کی طرف رواں ہے، بادلوں نے سائے کی چادر اوڑھ لی ہے، ہر گزرتے لمحہ کے ساتھ وقت بھی اپنی کسی انجانی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ چار سو بکھری یہ کائنات اپنے مدار میں رہتے ہوئے قدرت کے نظام کی پابندی مکمل عاجزی اور انکساری سے کر رہی ہے مگر صرف آدمی ہے جو اپنے بنائے ہوئے اصولوں پر چل رہا ہے ، خدائی نظام کے احترام سے عاری ہے اس لیے ہر وقت خسارے میں ہے۔

ایک آدمی جب عمر کے کسی حصے میں اپنی زندگی کا جائزہ لیتا ہے تو ماں باپ ، بہن بھائی، بچے، روزگار ، مکان اور دیگر نعمتوں کے ہوتے بھی یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کہیں کچھ رہ گیا ہے جو اسے بے سکون کر رہا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ زندگی کا مقصد اگر صرف مادی ضروریات کا حصول ہے تو پھر ان ضروریات کو حاصل کرنے والا بھی پریشان ہے اور جو محروم ہے وہ بھی بے سکون ہے۔ آخر اس ادھورے پن کی تکمیل کیسے ہو۔

قرآنی تعلیمات کے مطابق اس کائنات میں موجود ہر شے دو رخوں پر قائم ہے۔ آدمی کے بھی دو رخ ہیں۔ ایک جسم اور دوسری روح۔ یہ دونوں رخ اپنی تکمیل چاہتے ہیں۔ آدمی جسم کی غذا کا تو اہتمام کرتا ہے لیکن روح کی غذا سے غافل ہے۔ اسی لیے بھوک مٹ جانے اور دوسری ضروریات کے پورا ہونے کے بعد بھی وہ بے سکون رہتا ہے۔ روح کی غذا کیا ہے؟ روح کی غذا اللہ کا ذکر ہے۔ روح اللہ کے احکام میں سے ایک حکم ہے۔ روح جز ہے اور جز اپنی تکمیل کے لیے کل میں جذب ہونے کے لیے بے چین ہے۔

یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ جسمانی وجود کا انحصار روح پر ہے۔ روح کا انحصار جسمانی وجود پر نہیں ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ روح کے بغیر آدمی کی حیثیت ایک لاش کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ جب تک روح گوشت پوست کے وجود سے تعلق قائم رکھتی ہے گوشت پوست کے وجود میں حرکت قائم ہے۔ یہ گوشت پوست کا وجود دیکھتا بھی ، سنتا بھی ہے ، چھوتا بھی ہے ، بولتا بھی ہے ، تپش اور ٹھنڈک کی لہروں کو محسوس کرتا ہے لیکن اگر روح اس گوشت پوست کے وجود سے اپنا رشتہ توڑ لیتی ہے تو یہ جسمانی وجود نہ سنتا ہے ، نہ محسوس کرتا ہے۔ زندگی کا یہ عمل بتاتا ہے کہ انسان کی اصل روح ہے ، گوشت پوست کا وجود نہیں ہے۔ اگر کوئی بندہ

اپنے من، اپنی روح سے واقف ہے تو وہ اپنا دوست ہے۔ اس کے بر عکس اگر کوئی بندہ اپنے گوشت پوست کے وجود کو اپنا سب کچھ سمجھتا ہے تو وہ اپنا دشمن ہے۔

بقول اقبال :

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی

تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی اپنی ایک تحریر میں فرماتے ہیں۔۔۔ میں نے ایک مرتبہ سوچا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہیے، معلوم تو ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ میں نے رجسٹر میں لکھنا شروع کر دیا۔ لکھتا چلا گیا، لکھتا چلا گیا۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے رجسٹر کے کتنے ورق لکھے۔ میں نے جب ان نعمتوں کا شمار کیا تو معلوم ہوا کہ کوئی ایسی نعمت نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا نہ فرمائی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے والدین عطا فرمائے، بہترین رفیقہ حیات عطا فرمائی، بیٹے بیٹیاں عطا فرمائیں، روزی عطا فرمائی، بے حساب رزق عطا فرمایا، آنے جانے کے لیے وسائل عطا فرمائے۔ دوست احباب عطا کیے عزدی، صحت عطا فرمائی اور سب سے بڑی بات یہ کہ اللہ نے عبادت اور ذکر کی توفیق عطا فرمائی۔ آگے، پیچھے، نیچے اوپر جو بھی نعمتیں ہیں، سب عطا ہوئیں۔

میں نے مرشد کریم قلندر بابا اولیاءؒ سے عرض کیا۔۔۔۔

"حضور میں اللہ تعالیٰ سے کیا مانگوں؟ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مجھے سب عطا فرما دیا ہے۔" قلندر بابا اولیاءؒ لیٹے ہوئے تھے، میری یہ بات سن کر ایک دم سے اٹھ کر بیٹھ گئے اور آپ نے تیز لہجے میں فرمایا۔۔۔ خواجہ صاحب آپ نے یہ کیا بات کہہ دی۔ خبردار! اس قسم کا خیال آئے تو لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھو اور بھائی مانگنے کا کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ سے اللہ مانگو۔

جب اللہ تعالیٰ مل جاتے ہیں تو کائنات سرنگوں ہو جاتی ہے۔ صف بستہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے نظر آتے ہیں۔ نسبتِ سکینہ حاصل ہو جاتی ہے، ایسے بندے کے دل سے ڈر اور خوف نکل جاتا ہے، اس میں قناعت اجاتی ہے۔ دل شکوک و شبہات سے پاک ہو جاتا ہے اور خالق کی محبت کا یقین اس کے دل میں بیٹھ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق سے رشتہ ہر لمحہ محبت ہے۔ ماں کے پیٹ میں ایک نئے وجود کا بیج بونے سے لے کر آخری سانس تک اپنی مخلوق کی خدمت کرنا خالق کی بے پایاں محبت نہیں تو اور کیا ہے۔ بغیر کسی رکاوٹ کے سانس کی روانی اور دل کی دھڑکن، سماعت و بصارت اور ذہانت جیسی نعمت، جسم میں خون کی بلا تعطل گردش، کھلتے مسکراتے چہرے، درخت کی چھاؤں اور دھوپ کی تمازت، سکون قلب اور میٹھی نیند، چاند کی کرنوں سے پھلوں میں مٹھاس، غذائیت سے بھرپور اناج، معدنیات سے بھرے پہاڑ اور سمندر، خوبصورت جھرنے اور آبشار، ٹھنڈے میٹھے پانی کے چشمے۔ ظاہری و غیبی مدد اور سب سے بڑھ کر کسی عظیم استاد کی رہنمائی۔۔ ذرے ذرے میں اللہ کی محبت کا اظہار ہے اور ہماری محبت ان نعمتوں کے شکر میں ہے۔ شکر بھی اللہ کا ذکر ہے۔ یہی روح کی غذا ہے کہ بندہ ہر وقت اللہ کا شکر ادا کرے اور ہر عمل کو من جانب اللہ سمجھے۔

اللہ تعالیٰ محبت ہی محبت ہیں۔ وہ اپنی مخلوق کو بے چین، مضطرب اور تکلیف میں نہیں دیکھنا چاہتے۔ تمام سمندر سیاہی بن جائیں اور تمام درخت قلم بن جائیں تو بھی اللہ کی باتیں ختم نہیں ہوں گی۔ بالکل اسی طرح محبت بھی اللہ کی صفت ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی باتیں ختم نہیں ہوں گی ویسے اللہ تعالیٰ کی صفتِ محبت اور رحیمی بھی ختم نہیں ہو سکتی۔ نہ ابتداء کی خبر ہے اور نہ انتہا کی۔ بس ایک گہرا سمندر ہے جس میں تیرتے چلے جائیں۔ جس نے جو پا لیا، اتنی ہی اس کی استطاعت۔ پھر ہم کیوں اس عظیم محبت سے غافل ہیں۔ کیا ہمارے سینوں میں دل نہیں ہے یا ان دلوں پر مہر ہے؟

آپ نے کبھی کسی سے محبت کی ہے۔ وہ کوئی بھی فرد ہو سکتا ہے۔ ماں باپ، استاد، بہن بھائی، کوئی بھی۔ اپنے محبوب کو خوش کرنے کے لیے آپ کیا کرتے ہیں؟ اس کی ہر بات کو بخوشی قبول کرتے ہیں، اختلافات سے گریز کرتے ہیں اور یوں اپنی نفی کر دیتے ہیں۔ محبوب کی رضا میں محب کی رضا ہوتی ہے۔ یہ تو وہ محبت ہے جو عارضی ہے۔ لیکن جو اللہ کی دائمی محبت ہے اس کے لیے ہماری کوشش کتنی ہے۔ وہ منتظر ہے کہ ہم کب پکاریں اور وہ پہنچے ہماری پکار کو۔ اللہ کا وعدہ ہے جو اس کی راہوں میں جد و جہد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنی راہیں کھول دیتے ہیں۔ ہم ایک قدم آگے بڑھتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں تھامنے کے لیے دس قدم آگے بڑھتے ہیں۔ ہم اللہ سے دنیا مانگتے ہیں لیکن دنیا والے کو نہیں مانگتے۔ دنیاؤں کے مالک کو مانگیے، دنیا خود بخود مل جائے گی۔

خلیفہ ہارون رشید نے ایک دفعہ نمائش لگائی، اس نمائش میں دنیا بھر کی چیزیں تھیں۔ بادشاہ نے اعلان کیا جس کا جو دل چاہے لے جائے۔ ہجوم اکٹھا ہو گیا، لوگوں نے اپنی پسند کی چیزوں کو اٹھانا شروع کر دیا۔ ہارون رشید کی ایک کنیز تھی اس نے ایک چیز بھی نہیں اٹھائی۔ وہ نہایت ادب سے آگے بڑھی اور بادشاہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

آپ غور فرمایئے!

عقل مند کون تھا کنیز یا وہ لوگ جنہوں نے مختلف چیزیں پسند کیں؟ کنیز بادشاہ کا انتخاب کر کے سب سے ممتاز ہو گئی۔ اتنی عقل مند تھی کہ ملکہ بن گئی۔

سورۃ ھود میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''اور زمین میں جو بھی جاندار ہے اس کی روزی اللہ ہی کے ذمہ ہے اور اس کے ٹھہرنے اور اس کے سونپے جانے کی جگہ جانتا ہے۔ سب کچھ ایک کھلی کتاب میں درج ہے۔''

جس رزق کے لیے دن رات پریشان ہوتے ہیں اس کا تو اللہ نے خود کو رزاق کہہ کر ہم سے وعدہ کیا ہے۔ اللہ کی سنت میں تبدیلی اور تعطل نہیں ہے۔ وہ تو ایسا محب ہے جو کہتا ہے تمام ضروریات کا کفیل میں ہوں۔۔۔ بس تم مجھ سے مانگو۔

اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ہم اللہ سے محبت کریں، محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ اپنے محبوب کو شدت اور بے قراری سے یاد رکھا جائے۔ ہر حال اور ہر قال میں روحانی تشخص برقرار رکھا جائے یعنی اللہ کا شکر اور ہر عمل کو اللہ کی طرف سے لیا جائے۔

حضرت رابعہ بصریؒ کا قول ہے کہ اللہ سے محبت دعوے میں صداقت یہ ہے کہ اس کی فرمانبرداری کی جائے۔

اللہ کی فرمانبرداری قرآن پاک پر عمل ہے۔ قرآن پاک غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ اور غور و فکر کرنے والا بندہ جان لیتا ہے کہ ہر شے میں اللہ ظاہر ہے۔ جو بندہ اللہ کا فرمانبردار بن جاتا ہے تو جبریل امین زمین و آسمان میں منادی کر دیتے ہیں اور وہ بندہ زمین و آسمان کی تمام مخلوقات میں عزیز ہو جاتا ہے۔ وہ معرفت کا جام پی لیتا ہے اور اسے اطمینان قلب نصیب ہو جاتا ہے۔

آواز کیا ہے؟

زمین پر انسان کی پیدائش سے قبل جنات آباد تھے۔۔۔ جنات بھی اچھے اور بُرے کام کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اچھے کاموں کا حکم اور بُرے کاموں سے منع فرمایا ہے۔۔۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، سرکشی، جھوٹ، لڑائی، فساد، قتل اور خون خرابہ یہ سب بُرے کام ہیں۔

آہستہ آہستہ جنات میں بُرے کام زیادہ ہونے لگے جس سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہوئے اور کئی مرتبہ جنات کو سزا دی گئی لیکن وہ نافرمانی سے باز نہ آئے۔۔ جب زمین پر جنات کی سرکشی، نافرمانی اور فساد زیادہ ہو گیا تب اللہ تعالیٰ نے انسان کو تخلیق کیا اور اُسے اپنی صفات کا علم سکھایا۔ انسان کو زمین پر بھیجا گیا اور حکم دیا گیا کہ اچھے اور بُرے کام کے درمیان فرق کرو۔ ہم تمہیں سیدھا راستہ دکھائیں گے ہمارے پیغمبر اولاد کو نیک اور اچھے کاموں کا حکم پہنچائیں گے۔ جو شخص سیدھا راستہ اختیار کر کے نیک کام کرے گا اس کے لیے خوف اور غم نہیں ہو گا جو شخص پیغمبروں کی بات نہیں مانے گا وہ زمین پر شکر گزار بندوں کی طرح رہو اور نیک عمل سے دوسرے انسانوں کی خدمت اور خیر خواہی کرو۔۔ اس طرح تم وہ نعمتیں دوبارہ حاصل کر لو گے جو جنت میں حاصل تھیں۔ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔۔ جو کوئی شیطان کے دھوکے میں آ کر دنیا کی مختصر زندگی کے آرام و آسائش کے لیے نافرمانی کرے گا اور برے کاموں سے دوسرے لوگوں کو تکلیف پہنچائے گا وہ شیطان کا دوست اور ساتھی بن کر جہنم میں جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اچھائی اور بُرائی کا فرق سمجھانے کے لئے پیغمبر اس دنیا میں بھیجے۔

"یہ سارے رسول خوش خبری سنانے والے اور آگاہ کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہیں تاکہ ان کو مبعوث کر دینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت نہ رہے اور اللہ بہر حال غالب رہنے والا اور حکیم و دانا ہے۔"

(۴: ۱۶۵)

حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ اور دوسرے تمام پیغمبران علیہم السلام نے توحید کے ساتھ ساتھ رواداری کی تعلیمات دی ہیں۔

رواداری کیا ہے؟ بندہ یہ جان لے کہ ہم مخلوق ہیں ہمارا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور ہمارا خالق چاہتا ہے کہ مخلوق خوش رہے پوری نوعِ انسانی پُر سکون اور پُر امن زندگی گزارے۔ سب ایک دوسرے سے محبت کریں، ایک دوسرے کو نقصان نہ پہنچائیں۔

بزرگ خواتین و حضرات کا ادب کریں۔ والدین کا احترام کریں۔ بچوں سے شفقت سے پیش آئیں۔ بلا تفریق رنگ و نسل، مذہب و ملت اور ذات و قوم ایک دوسرے کی عزت اور جان و مال کا احترام کریں۔

ہر انسان کے دو وجود یا دو جسم ہیں اور کائنات میں موجود ہر مخلوق کے بھی دو وجود یا دو رخ ہیں۔ اسی طرح زمین بھی مخلوق ہے۔۔۔ اس کے بھی دو وجود یا دو جسم ہیں۔ جس طرح مادی وجود میں مختلف گیسز کا عمل دخل ہے یا مادی وجود کی وریدوں اور شریانوں میں خون دوڑ رہا ہے۔۔۔ اسی طرح زمین کے مادی وجود میں بھی گیسز کا براہ راست عمل دخل ہے اور زمین کی وریدوں اور شریانوں میں بھی انرجی، توانائی اور پانی دوڑ رہا ہے۔۔۔ زمین کے اوپر جو آبادیاں ہیں۔۔۔ ہر وقت ان میں تغیر ہوتا رہتا ہے۔

زمین مسلسل محوری اور طولانی گردش میں سفر کر رہی ہے۔۔۔ اس گردش کو پہاڑ کنٹرول کرتے ہیں۔۔ یہ پہاڑ میخوں کی طرح زمین میں گڑے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"ہم نے زمین کو فرش بنایا اور پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑ دیا۔" (۷۸ : ۶۔۷)

زمین کو اداس دیکھ کر ایک صاحب دل اللہ تعالیٰ کے بندے نے زمین سے پوچھا!

اے میری ماں! تو کیوں بے قرار ہے؟ کیوں اداس ہے اور کیوں پریشان ہے؟

زمین کی آنکھیں پانی بن گئیں زمین لرزتے ہوئے اور روتے ہوئے بولی! میرے بچے!

"میں بھی تمہاری طرح کا ایک وجود ہوں۔۔۔ جس طرح تمہارے دو وجود ہیں اسی طرح میرے بھی دو وجود ہیں۔۔۔ جس طرح تمہارے جسم پر پھوڑے پھنسیاں نکلتی ہیں اور جس طرح تمہارے جسم میں سڑاند پھیل جاتی ہے اور جس طرح تمہارے جسم زہریلے ہو جاتے ہیں۔۔۔ اسی طرح میرے ظاہر وجود میں بھی تمہارے بُرے اعمال سے۔۔۔ خود غرضی سے۔۔ حق تلفی سے۔۔ دولت پرستی سے۔۔ اور اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نافرمانی سے داغ پڑ گئے ہیں۔۔ زخم ناسور بن گئے ہیں۔۔۔"

زمین نے انکشاف کیا کہ میرے بچے جانتے ہیں کہ زمین پر موجود ہر وجود حرکت پر قائم ہیں۔ حرکت انسان میں بھی ہے۔۔ حرکت فرشتوں میں بھی ہے۔۔ پہاڑ بھی حرکت کے محتاج ہیں۔۔۔ اور زمین بھی حرکت کی پابند ہے۔

حرکت میں اعتدال ہوتا ہے تو ہر چیز ٹھیک ہے اور جب حرکت میں خلل واقع ہو تو توازن بگڑ جاتا ہے۔۔۔ حرکت ضرورت سے زیادہ کم ہو جائے تو جمود طاری ہو جاتا ہے۔۔۔ حرکت ضرورت سے زیادہ بڑھ جائے تو تباہی پھیل جاتی ہے۔

ابھی حال میں آزاد کشمیر میں شدید زلزلہ آیا تھا۔ زلزلہ سے زمین ہلنے لگی اور پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ کر پیچھے وادی (Valley) کی طرف آ گئے، کئی جگہ گھر ہلتے ہلتے ٹوٹ کر زمین بوس ہو گئے۔

یہ بھی حرکت کا وہ عمل ہے جس میں عارضی طور پر توازن نہیں رہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمین اتنی دکھی ہے کہ وہ آہ وزاری کے ساتھ لرز رہی ہے۔ زمین کا بحال ہونا اور لرزنے سے حرکت کا متوازن نہ رہا زلزلہ ہے یہ سب اس وقت ہوتا ہے جب آدم زاد اس مقصد کو بھول جاتا ہے جس کے تحت اللہ نے اس کے لیے زمین کو پیدا کیا۔

زمین کو متوازن رکھنے کے لیے میخوں کو قائم مقام بنایا۔ پانی کو متوازن رکھنے کے لیے برف پوش پہاڑ تخلیق کئے حیات و ممات کو متوازن رکھنے اور اس دنیا سے اُس دنیا سے تیسری دنیا میں سفر کرنے کا ذریعہ بنایا لیکن جب آدمی انسانیت کا جامہ اتار کر مادر پدر آزاد ہو جاتا ہے۔ اللہ کے دوست اللہ کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بتائے ہوئے راستے سے بھٹک جاتا ہے اور صراطِ مستقیم سے منہ موڑ لیتا ہے تو زمین لرزنے لگتی ہے، سمندر، دریا، ندی، نالے بے قرار ہو کر اپنی مقداروں کا توازن قائم نہیں رکھ سکتے تو بادل برستے ہیں، ہوائیں طوفان بن جاتی ہیں، آدمی غلطیوں کوتاہیوں اور گناہوں کے نتیجے میں اللہ کے عذاب کو دیکھتا ہے اور طوفان اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ آتش فشاں پھٹ پڑتے ہیں زمین ہلنے لگتی ہے اور عدم توازن اتنا زیادہ ہو جاتا ہے کہ زمین پر موجود وجود صفحہ ہستی سے غائب ہو جاتا ہے۔

جب کوئی قوم اپنی زمین اور اپنے وطن سے محبت نہیں کرتی تو دراصل وہ زمین کے تحفظات سے خود کو دور کرتی ہے۔۔۔ اور اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا قانون ایسے لوگوں کی مدد نہیں کرتا۔ جب کوئی قوم اللہ کے بنائے ہوئے قانون پر عمل نہیں کرتی تو دراصل و قدرت کے کاموں دخل اندازی کرتی ہے۔ قدرت اس کو سسٹم سے باہر پھینک دیتی ہے۔۔۔ زمین تو موجود رہتی ہے۔۔۔ لیکن آدم زاد ہلاکت کے گہرے گڑھوں میں دفن ہو جاتا ہے۔ موجودہ صورت حال یہ ہے کہ مادی استحکام کے لیے انسانی قدریں پامال ہو رہی ہیں۔۔۔ ہر فنا ہو جانے والی چیز پر بھروسہ کر لیا گیا ہے۔۔۔ عارضی آسائش و آرام اور زر پرستی زندگی کا مقصد بن گیا ہے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات سے اختلاف۔۔۔ تفرقے بازی۔۔۔ ملاوٹ۔۔۔ قتل و غارت۔۔۔ زمین پر فساد۔۔۔ قدرت سے انحراف ہے۔ قدرت سے انحراف کا مطلب یہ ہے کہ آدمی قدرت کا تعاون نہیں چاہتا۔۔۔ اس وقت بھی نوعِ

انسانی مستقبل کے خوف ناک تصادم کی زد میں ہے۔ زمین اپنی بقا کی تلاش میں لرز رہی ہے۔ آندھیاں چل رہی ہیں، سمندری طوفان آر رہے ہیں۔۔۔ کیونکہ انسان قدرت سے انحراف کر رہا ہے۔

ہر طرف مذہبی، لسانی اور علاقائی تعصب کے الاؤ جل رہے ہیں۔ خود غرضی اضطراب اور بے چینی کے ساتھ عام ہو گئی ہے۔۔ واعظوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو کاروبار بنا لیا ہے۔۔۔ ہر آدمی نصیحت کرنے والا بن گیا ہے۔۔۔ لیکن کسی کو اپنی اصلاح کی فکر نہیں ہے۔۔۔ کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ سے معاشرہ زہر ناک بن گیا ہے۔۔۔ ترقی کے فسوں میں آدمی بیمار ہے۔۔۔ لوٹ کا بازار گرم ہے۔

سوناجاگناکیاہے؟

کائنات کے قلب میں رموز و حقائق کے سمندر موجزن ہیں۔ آدمی اسی کائنات کا حصہ ہے اور اس کی تخلیق ایک ایسا راز ہے جس سے اگر وہ واقف ہو جائے تو کائنات کے باقی رموز اس کے سامنے خود بخود عیاں ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کہ جو انرجی آدمی کی نسوں میں زندگی بن کر دوڑ رہی ہے وہی انرجی کائنات کی رگوں کے لیے حیات ہے۔ خود سے واقف ہوئے بغیر کائنات سے واقفیت ممکن نہیں۔

ہم جب اپنی ذات پر غور کرتے ہیں تو سوال در سوال یہ سوالات ذہن میں وارد ہوتے ہیں کہ میں کون ہوں۔۔ کس نے بنایا۔۔۔ کیوں بنایا۔۔ کہاں سے آیا۔۔ کہاں چلا جاتا ہوں۔۔۔ پھر آجاتا ہوں۔۔ اس کے بعد غیب کے پردے میں چھپ جاتا ہوں۔۔۔ شب و روز کا چھپنا ظاہر ہونا جب زندگی ہے تو پھر زندگی کیا ہے۔۔۔؟ غور کرنے والوں کو ہر آسمانی کتاب ان سوالوں کے جواب دیتی ہے۔

آخری الہامی کتاب قرآن میں آدمی کی تخلیق میں تین بنیادی عوامل کا تذکرہ ہے۔

۱۔ مٹی ۲۔ پانی ۳۔ روشنی

"اور بے شک ہم نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے جو سڑے ہوئے گارے سے بنی تھی پیدا کیا۔" (۱۵:۲۶)

ہر ذی روح کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے۔ حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں "روحانیت کی زبان میں مٹی کا مطلب صرف مٹی نہیں بلکہ یہ ایک ایسا Mechanism ہے جس میں تخلیقی فارمولے متحرک ہیں اور مقداریں تبدیل کر کے مختلف شکل و صورت اختیار کرتے ہیں۔ یہ مقداریں روشنیوں پر قائم ہیں۔ اور ان روشنیوں کی بنیاد اللہ کا نور ہے۔"

کائنات میں موجود ہر شے کے دو رخ ہیں۔ ایک رخ ظاہر ہے دوسرا رخ مادی آنکھ سے نظر نہیں آتا لیکن روح اسے دیکھتی ہے۔ مٹی کا دوسرا رخ روشنی ہے۔ مادی آنکھ کو مٹی نظر آتی ہے، روشنی نہیں۔ صاحبِ یقین شخص مٹی اور روشنی دونوں کو دیکھتا ہے۔ مٹی کا وجود فکشن اور نظر کا دھوکہ ہے۔ مٹی مٹی میں مل کر ایک اور مٹی کا روپ دھار لیتی ہے لیکن اس مٹی کی روشنیاں موجود رہتی ہیں۔ اس لیے صاحبِ یقین ہستیاں شے کی اصل کو دیکھتی ہیں۔ مٹی کا رخ ان کے سامنے سے غائب ہو جاتا ہے جبکہ غائب نہیں ہوتا۔

تخلیقی عوامل میں دوسرا ذکر پانی کا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

"وہی تو ہے جس نے پانی سے بشر کی تخلیق کی۔" (۲۵:۵۴)

"اور وہی تو ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا جسے تم پیتے ہو اور اس سے درخت بھی ہیں جن میں تم اپنے چوپایوں کو چراتے ہو۔ اس پانی سے وہ تمہارے لیے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اگاتا ہے۔ اور ہر طرح کے پھل۔ غور کرنے والوں کے لیے اس میں نشانی ہے۔" (۱۶:۱۰۔۱۱)

قرآن میں پانی کے لیے لفظ "ماء" استعمال ہوا ہے۔ عظیمی صاحب ماء کی تشریح بیان فرماتے ہیں کہ "جس کائنات کو مادی آنکھ دیکھتی اور پہچانتی ہے اس کی بنیاد روشنی کے اوپر قائم ہے۔ روشنی جس کے اندر بہاؤ ہے۔ اس روشنی اور روشنی کے اسی بہاؤ کو قرآن پاک "ماء" کہتا ہے۔ سائنس اس روشنی یا پانی کو گیسوں کے نام سے جانتی ہے۔ روشنیوں کے بہاؤ سے مراد یہ ہے کہ صدہا گیسوں کے اجتماع سے شکلیں وجود میں آتی ہیں۔"

گلاس میں پانی لے کر اگر دیوار پر پھینکا جائے تو مختلف شکلیں وجود میں آتی ہیں۔ اسی طرح روشنیاں جب نزول کر کے کائنات کی اسکرین سے ٹکراتی ہیں تو افرادِ کائنات یعنی انسان، حیوان، نباتات اور جمادات وغیرہ ظاہر ہو جاتے ہیں۔ یہ افراد یا نوعیں گلاس میں موجود پانی یا نزول کرنے والی لہروں میں موجود تھیں۔ اسی لیے دیوار یا اسکرین پر ٹکرانے سے ان کی شکلیں ظاہر ہوئیں۔ پانی بھی اللہ کی مخلوق ہے۔ یوں پانی کے بھی دو رخ ہیں۔ ایک رخ پانی، جو ظاہر ہے اور دوسرا رخ پانی کا باطن یعنی روشنی ہے۔

قارئین تجربہ کیجیے۔

سینما میں جا کر بیٹھ جایئے۔ وہاں آپ کو ایک بڑے ہال میں اسٹیج پر اسکرین نظر آئے گی۔ وہ جس چیز کی بھی بنی ہوئی ہو۔ کپڑے کی ہو۔ کینوس کی ہو۔ کپڑے کی جگہ سفید دیوار کو اسکرین بنا لیا جائے۔ یکایک گھپ اندھیرا ہو جاتا ہے۔ اس پر ایک منزل اوپر بہت سارے سوراخ ہیں۔ ان سوراخوں میں سے کسی ایک سوراخ میں سے لائٹ کی ایک موٹی دھار نکلتی ہے اور ہال میں فضا سے گزرتی ہوئی اسکرین سے ٹکراتی ہے۔۔۔ اسکرین پر تصویریں نظر آتی ہیں لیکن ناظرین سر اٹھا کر روشنیوں کی بیم کو دیکھیں تو تصویر نظر نہیں آتی۔ یہ ضرور ہوتا ہے کہ روشنی کی لہریں بالکل ایک ساتھ ہیں لیکن ان میں ایسا فاصلہ بھی ہے جس فاصلے کو کسی بھی طرح ناپا نہیں جا سکتا۔ روشنی کی یہ دھاریں کبھی اوپر ہو جاتی ہیں۔ کبھی نیچے ہو جاتی ہیں۔ کبھی دائیں سے بائیں اور کبھی بائیں سے دائیں۔ کبھی ایک دم پوری دھاریں نیچے ہو جاتی ہیں اور اوپر ہو جاتی ہیں لیکن ان تمام روشنی کی لہروں میں ہمیں کچھ نظر نہیں آتا اور جب روشنیوں کی تقریباً چار انچ رقبے میں پھیلی ہوئی یہ دھاریں اسکرین سے ٹکرا کر پھیلتی ہیں تو ہمیں نہ صرف تصویر نظر آتی ہے بلکہ تصویر کی حرکات

و سکنات یعنی اچھلنا، کودنا، ناچنا، گانا، بولنا، رونا، غصہ ہونا، خوش ہونا، گفتگو میں تلخی۔ نرمی، نفرت، عشق، خلوص، ایثار اور خود غرضی اور نفرت کے الفاظ اور ان کا مظاہرہ بھی نظر آتا ہے۔

قارئین خواتین وحضرات خصوصاً طالبات و طلبا کو اس مثال سے اس طرف متوجہ کرنا مقصود ہے کہ اسکرین پر ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔۔۔ اور اگر دیکھ رہے ہیں تو اس تصویر کا سورس کیا ہے۔۔۔ اگر لہر سورس ہے تو لہر کا سورس کیا ہے۔۔۔ لہر کا سورس اگر پروجیکٹر ہے تو پروجیکٹر کا سورس کیا ہے۔۔۔ پروجیکٹر کا سورس اگر بجلی (Electricity) ہے تو بجلی کا بھی کوئی نہ کوئی سورس ہوگا۔۔۔ وہ کیا ہے؟

ان سوالات کے جوابات لکھیے۔ آپ کے نمایاں نام کے ساتھ ہم ان شاءاللہ ''ماہنامہ قلندر شعور'' میں شائع کریں گے اور قرعہ اندازی کے بعد آپ کی خدمت میں آپ کا پسندیدہ نہیں۔۔۔ اپنی پسند کا تحفہ پیش کریں گے۔

آسمانوں اور آسمانوں کی مخلوقات، زمین اور زمین کی مخلوقات اور جو کچھ زمین اور آسمان کے درمیان ہے، مادی آنکھ اسے دیکھتی ہو یا نہ دیکھتی ہو۔ سب روشنی ہے اور اس روشنی کو اللہ کا نور متحرک رکھتا ہے۔ اگر بندہ مٹی کے وجود کی ابتدا کرنے والی روشنی سے واقف ہو جائے تو وہ یہ جان لے گا کہ مٹی کا وجود نظر کا دھوکہ ہے اور حرکت کے لیے روشنیوں کے وجود کا محتاج ہے۔ جسمانی وجود اس سے زیادہ کچھ جان نہیں سکتا جتنا روشنیوں کا وجود اسے انسپائر کرتا ہے۔

روشنی جب تنزل کرتی ہے تو اس کے مزید دو رخ بنتے ہیں۔ روشنی کا ایک رخ روشنیاں جن سے مادی خد و خال بنتے ہیں۔ اسے تانا کہتے ہیں۔ دوسرا رخ جسمانی وجود ہے اسے بانا کہتے ہیں۔ جب تک روشنی نظر نہیں آتی وہ اکہری حرکت ہے اور جب روشنی مادی وجود کی صورت میں نظر آتی ہے تو اسے دہری حرکت کہتے ہیں یعنی دو روشنیاں (لہریں) مختلف سمتوں سے آپس میں ٹکرائیں، ٹکرانے سے ایک دوسرے میں جذب ہوئیں تو ان روشنیوں میں موجود خد و خال ظاہر ہو گئے اور اسکرین پر تصویر بن گئی۔

ٹی وی کم و بیش سب کے گھر میں موجود ہے۔ ہر شے کی طرح ٹی وی کا باطنی رخ بھی روشنی ہے۔ نشریات جب مرکز سے لہروں (روشنیوں) کی صورت میں ٹی وی اسکرین سے ٹکراتی ہے تو تصویر نظر آتی ہے۔ لیکن یہ سوال اپنی جگہ قائم ہے کہ روشنی کی اصل کیا ہے؟ روشنی کی اصل اگر پانی، گرڈ اسٹیشن ہے تو اس کی اصل کیا۔۔۔؟ اگر کرنٹ کا ذخیرہ میگنٹ (Magnet) میں ہے تو میگنٹ کیا ہے۔۔۔؟

زندگی خیالات کی ترتیب کا نام ہے۔ ایک لکیر سے دوسری لکیر ملتی ہے تو خد و خال بنتے ہیں۔ جتنی لکیریں ملتی ہیں مادی آنکھ کے لیے نقش و نگار واضح ہو جاتے ہیں۔ لکیروں کی یہ حرکت دو رخوں پر قائم ہے۔ ایک رخ طوالت (Vertical) میں ۔ جب تک لکیریں یا تصویریں ایک رخ یعنی روشنیوں پر قائم ہیں یہ جنات کی دنیا ہے۔ اور جب عرضی لکیریں طولانی لکیروں سے ٹکراتی ہیں تو آدمی اور آدمی کی دنیا بناتی ہیں۔ جب تک لکیریں ایک سمت میں رہتی ہیں زمین کی ثقل سے آزاد ہوتی ہیں اور جب ڈبل یا دوہری ہو جاتی ہیں تو ان میں محدود بڑھ جاتی ہے۔

دو کاغذ لیجیے۔ ایک کاغذ پر طولانی (Vertical) سمت میں سیدھی سیدھی لکیریں کھینچئے اور دوسرے کاغذ پر طولانی کے ساتھ عرضی (Horizontal) لکیریں بھی بنائیے۔ یہ گراف بن جائے گا۔ اسے تانا بانا کہتے ہیں۔ طول تانا ہے اور عرض بانا ۔ یہ اس طرح بنا ہے کہ فاصلہ نہ رہے۔ اب دونوں کاغذ سامنے رکھیے اور بتائیے کس کاغذ میں وقفے زیادہ ہیں۔ اگر آپ کو ان کاغذوں پر چلنا پڑے تو کس کاغذ پر چل کر آپ کنارے پر پہلے پہنچیں گے؟ سیدھی سیدھی لکیروں والے کاغذ میں اسپیس کم ہے۔ خلا کم ہے۔ اسپیس یا خلا کم ہونے سے مراد یہ ہے کہ ان میں وقفے کم ہیں۔ جب وقفہ (رکاوٹ) کم ہوتا ہے تو رفتار بڑھ جاتی ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ وقفے ختم نہیں ہوئے۔ اس کاغذ پر چلنے والے کے لیے دائیں بائیں حرکت محدود ہے لیکن وہ جتنی چاہے طوالت اختیار کر سکتا ہے ۔ تانے میں سفر کرنے کی وجہ سے رفتار بہت زیادہ ہوتی ہے جس کی مادی دنیا میں پیائش ممکن نہیں۔ اس لیے مادی لحاظ سے اس دنیا میں ٹائم کی نفی ہو جاتی ہے۔

دوسری طرف آدمی گراف میں بند ہے۔ گراف میں موجود ہر خانہ کے لیے وقفہ ہے۔ وہ ان خانوں میں قید ہے۔ نہ طول کی حدوں کو توڑ سکتا ہے نہ عرض کی رکاوٹ سے باہر آتا ہے۔ ایک قدم اٹھانے کے بعد دوسرا قدم لازماً زمین پر رکھنا پڑتا ہے پھر وہ تیسرا قدم اٹھاتا ہے۔ وہ قدموں، لمحوں اور کتابِ زندگی کو ترتیب وار پڑھنے کا محتاج ہے۔ لیکن ایک حالت ایسی ہے جب اس کی یہ ترتیب برقرار نہیں رہتی۔ رات سونے اور بیداری میں خیال کی۔

جب ہم نیند میں ہوتے ہیں تو لمحوں سے بھی کم وقت میں دنیا جہاں کی سیر کراتے ہیں۔ وہاں اسپیس اور وقت دونوں موجود ہیں لیکن اس وقت کی پیائش مادی طور پر نہیں کر سکتے ۔ اس لیے کہ مادی علم محدود ہے اور نیند کی دنیا لامحدودیت سے واقفیت کی طرف پہلا قدم ہے۔ نیند میں بندہ خیال کی رفتار سے سفر کرتا ہے۔ خیال کی رفتار روشنی کی رفتار سے زیادہ ہے۔ جس لمحے یہ حرکت کا آغاز کرتی ہے اسی لمحے واپس نقطہ آغاز پر پہنچ جاتی ہے۔ نیند کی دنیا بندے پر یہ حقیقت ظاہر کرتی ہے کہ مادی وجود حرکت کو محدود کر دیتا ہے۔ بندہ اگر مادی وجود کو مغلوب کرلے تو وہ بیداری میں بھی زمین کی کشش ثقل سے آزاد ہو سکتا ہے۔

قارئین: زندگی کے ایک رخ میں وقت سکڑ رہا ہے اور دوسرے رخ میں پھیل رہا ہے۔ حقیقت ایک ہوتی ہے۔ پھر وقت اور فاصلے کی حیثیت کیا ہوئی۔۔۔؟ کیا واقعی کائنات میں فاصلہ موجود ہے۔۔۔؟

اللہ فرماتے ہیں:

"بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔" (۱۹۰:۳)

دوسری طرف بیداری میں خیال کی قوت ہے۔ جو کسی نہ کسی حد تک محدودیت کے دائرے میں بند ہے۔ ہم خیالوں میں کہاں سے کہاں پہنچ جاتے ہیں۔ ماضی میں بھی گھوم آتے ہیں اور مستقبل کی سیر بھی کر لیتے ہیں۔ لیکن جب توجہ ٹوٹتی ہے تو خود کو واپس اسی جگہ پاتے ہیں جہاں سے پرواز شروع کی تھی۔ خیال کا قانون بتاتا ہے کہ اگر خیال میں توجہ مرکوز ہو جائے تو رفتار تیز ہو جاتی ہے اور تصویر مظہر بن جاتی ہے۔

روشنیوں سے واقف ہونے کے لیے اللہ کی نشانیوں پر غور اور تحقیق و تلاش سے بندہ اللہ کی عطا کردہ ایسی صلاحیتوں سے واقف ہو سکتا ہے جو صلاحیت بیداری کے برعکس نیند میں ظاہر ہوتی ہے لیکن نیند کے بعد اور بھی کئی زون ہیں۔

دخان۔۔۔؟

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ دخان دھواں نہیں ہے۔ انہوں نے دخان کے راز سے پردہ اٹھایا ہے اور اسے سائنسی زبان میں کاربن کہا ہے۔ وہ فرماتے ہیں،

"قدرت نے جب کائنات کو بنایا تو میرا خیال ہے کہ سب سے اول قدرت نے کاربن کو بنایا جسے قرآن پاک میں دخان کا نام دیا گیا ہے مگر یہ دخان وہ دھواں نہیں جسے ہم دھواں کہتے ہیں مگر ایسا دھواں ہے جو نظر نہیں آتا۔ یہ بات قدرت کو ہی معلوم ہے کہ اس نے کائنات کی بنیاد کے لیے کاربن کو کیوں پسند کیا ہے۔ کاربن کی ایسی جالی بنتی ہے جو جالی باقی جتنے ایٹم ہیں، ان کو پھیلا کر الجھا دیتی ہے۔

قرآن میں کاربن کی جگہ لفظ دخان استعمال ہوا ہے۔ دخان کو تصوف میں روفان کہتے ہیں۔ یہ سب کچھ میں نے لکھا ہے، اسپیس کی تقسیم کے بارے میں۔ جب کاربن سے دیگر سینکڑوں ایٹم بنتے ہیں تو ان کے خواص بھی مختلف ہو جاتے ہیں مگر اس بات کا خیال رہے کہ وہ ایک ہی زنجیر کی کڑی ہیں جسے دخان کہا گیا ہے یا کاربن کہتے ہیں یا روفان کا نام دیا گیا ہے۔ یہی ایٹم کائنات کی تمام ضروریات پوری کرتا ہے۔" (کتاب: قدرت کی اسپیس)

کچھ عرصہ پہلے کلاس "نظریہ رنگ و نور" کی ایک نشست میں استادِ محترم عظیمی صاحب نے دخان کو صفاتی زبان میں ثقل بتایا۔ کلاس "نظریہ رنگ و نور" ایک درجہ آگے بڑھی اور کتاب "احسان و تصوف" کی تعلیمات شروع ہوئیں تو انہوں نے طلبہ کے لیے دخان یا کاربن پر سے ایک پردہ مزید اٹھایا اور بتایا کہ دخان خمیر (Yeast) ہے۔

زکریا یونیورسٹی، ملتان کے M.A اسلامیات کے نصاب کا حصہ ہے۔

خمیر کو سمجھنے اور موضوع کی فہم میں آسانی کے لیے گزشتہ صفحے پر اقتباس میں سے خط کشیدہ الفاظ ذہن میں رکھئے۔۔ یہ مضمون ان دو خط کشیدہ جملوں کا پھیلاؤ ہے۔

۱۔ پھیلاؤ ۲۔ اسپیس کی تقسیم

ا۔ خمیر کیا ہے۔۔۔؟

خمیر ہماری طرح مخلوق ہے۔ سراپا ہے جو شے میں داخل ہو کر ابھار یا ڈائی مینشن کو ظاہر کرتا ہے اور ڈائی مینشن کو معین مدت تک قائم رکھتا ۔ ذرّے سے لے کر پہاڑ اور سمندر سمیت زمین پر تمام تخلیقات خمیر کے لاشمار زاویوں کا اظہار ہیں۔ ہر یونٹ کا بڑے سے بڑا اور چھوٹے سے چھوٹا حصہ خمیر ہے۔

ہر شے خمیر کا روپ بہروپ ہے کیونکہ وہ ایک خاص زاویے یعنی ابھار کو ظاہر کرتی ہے اور تخلیقات کی ظاہری ساخت کو منفرد بناتی ہے۔ ہر زاویہ غیب سے ظاہر اور ظاہر سے غیب ہوتا ہے۔قرآن کریم میں ابوالانبیاء حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے حقیقت کی تلاش میں ایک رات اجرام فلکی پر تفکر کرتے ہوئے مشاہدہ کیا کہ 'ظاہر غیب ہونے والے اجسام الوژن ہیں' ۔الوژن دخان (خمیر) کے نظام پر قائم ہے۔

سوال کیا جا سکتا ہے کہ کیا خمیر کا نظام اجرام فلکی یعنی چاند، سورج اور ستاروں میں بھی ہے؟

جواب ہے کہ فصلوں کا پھلنا، پھیلنا، مٹھاس اور نمکین کا عمل سورج کی شعاعوں اور چاند کی کرنوں سے ہے۔ چاند، سورج اور ستارے بھی ڈائی مینشن ہیں۔

خمیر کی بنیادی صفت تعفن اور پھولنا ہے۔ پھولنے سے شے کے اندر پہلے سے موجود خلا ظاہر ہوتا ہے اور ۔۔۔ تعفن کا سبب شے کا پھولنے کی وجہ سے اصل حالت پر قائم نہ رہنا ہے۔ جب شے اصل سے دور ہوتی ہے، اس میں تعفن پیدا ہو جاتا ہے۔ تعفن اصل سے دوری کو ظاہر کرتا ہے۔اس صورت میں خمیر کی ایک تعریف دوری ہے۔

۲۔ اسپیس کی تقسیم کیا ہے۔۔؟

گندم کا ایک دانہ پھولتا ہے تو اس کی اسپیس گندم کی ہزاروں بالیوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ پانی کا ایک قطرہ پھول کر بے شمار انواع کی زندگی بنتا ہے ۔ زمین پر تمام مخلوقات اور مناظر پانی کی اسپیس کا پھیلاؤ ہیں پھولنے سے شے کی اسپیس تقسیم ہوتی ہے اور جال بن جاتا ہے۔ جال کو ہم ہاتھی، پہاڑ، بادل، سمندر، آدمی اور جنات وغیرہ کہتے ہیں۔ دنیا میں تمام موجودات خمیر کے تانے بانے سے بُنا ہوا جال ہیں۔ کسی بھی جال کو غور سے دیکھئے۔۔ یہ خلا در خلا اسپیس کی تقسیم سے بُنا ہوا ہے۔

خالق کون و مکان اللہ کا ارشاد ہے،

"پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دخان تھا۔ اللہ نے اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں آؤ خوشی سے یا ناخوشی سے۔ انہوں نے کہا، ہم خوشی سے آتے ہیں۔" (حٰمٓ السّجدۃ : ۱۱)

قرآن کریم کو عربی زبان میں سمجھنے سے فہم پر سے فکشن کا غلاف اترتا ہے اور رموز افشا ہوتے ہیں کہ ابتدا میں آسمان اور زمین یکجا تھے۔ اللہ تعالیٰ آسمان کی طرف متوجہ ہوئے جو اس وقت دخان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف متوجہ ہونے کے بعد دخان سے اور زمین سے فرمایا، داخل ہو جا۔ دونوں بخوشی داخل ہوئے۔

(نتیجے میں آسمان اور اس کے اندر موجود (مخفی) زمین کا مظاہرہ ہوا۔ جوڑے جوڑے (مذکر مؤنث یا متضاد رخ) اور۔ جوڑے دہرے (جوڑے کے ہر جز کا انفرادی رخ) کا نظام عمل میں ایا یعنی زوجین اثنین کی دنیا ظاہر ہوئی۔ دخان الوژن کے مظاہرے یا شے کو دو یا زیادہ حالتوں میں ظاہر کرنے کی کائناتی ٹیکنالوجی ہے۔)

دخان ہر دنیا میں موجود ہے کیوں کہ اس کا کام ڈائی مینشن کو ظاہر کرنا اور جب تک اللہ چاہے۔۔ اسے قائم رکھنا ہے۔ زندگی کی طرح موت بھی ڈائی مینشن ہے۔ آدمی مرنے کے بعد غائب نہیں ہوتا ، وہ خواب میں آکر کسی اور دنیا میں اپنے ہونے کی اطلاع دینے کے ساتھ حال سے باخبر کرتا ہے۔ اس کی شکل و صورت اور مقام جہاں پر وہ ہے، دونوں ڈائی مینشن ہیں۔

دخان سے بنیادی طور پر زمین کا قیام عمل میں آیا اور زمین ایک نہیں ہے، کائنات میں اربوں کھربوں دنیائیں ہیں۔ اللہ عالمین کا رب ہے۔

ہر دنیا اور زمین پر دخان کی کارفرمائی وہاں کے نظام کی مناسبت سے ہے۔

بات یہ ہے کہ دخان مخلوق ہے اور ہر مخلوق کی طرح پرتوں (لباس۔ جسم) کا مجموعہ ہے۔ دخان کا اس دنیا میں متحرک پرت نیند کی دنیا میں متحرک دخان کے پرت سے الگ ہے۔ جو پرت اصل سے جتنا دور ہے، وہ اتنا کثیف ہے اور جو پرت اصل سے جتنا قریب ہے۔۔ اسی مناسبت سے لطیف ہے۔

دوبارہ پڑھئے کہ آدمی کا وہ پرت جو اصل سے دور ہے، اس کے اندر دخان کا کثیف تر پرت کام کرتا ہے جب کہ اصل سے قریب پرت میں دخان لطیف حالت میں ملتا ہے یعنی ڈائی مینشن کو قائم رکھنے کے لیے اس میں خمیر ہوتا ہے لیکن خمیر محسوس نہیں ہوتا۔

خواب کی دنیا اس کی مثال ہے۔

زمین کی تخلیق کے وقت دخان نے اللہ کے حضور فرماں برداری کا اظہار کیا۔ فرماں برداری ظاہر کرتی ہے کہ دخان کے ایک رخ میں لطافت ہے اور لطافت یہ ہے کہ دخان کا ہونا ، نہ ہونے کے برابر ہو جائے۔ دخان میں کثافت و لطافت کے درجات زینے کی مثال جیسے ہیں۔

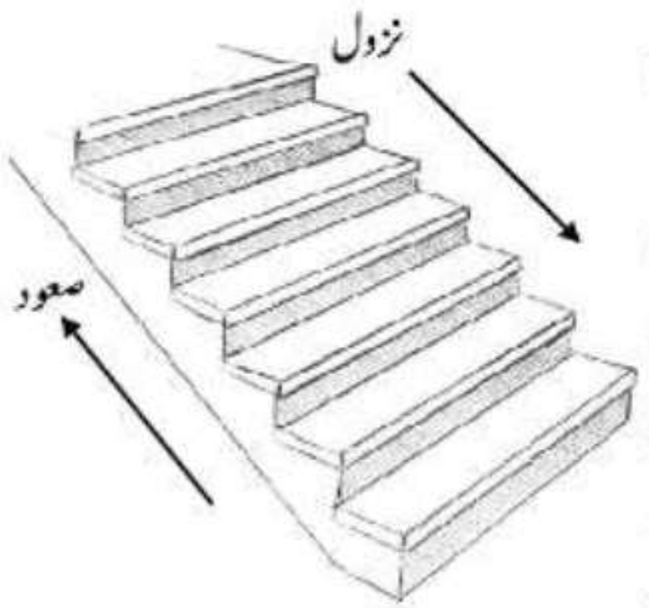

دخان جیسے جیسے نزول کرتا ہے، اصل سے دور ہوتا ہے۔۔۔ اس کے پرتوں کی کثافت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور جیسے جیسے صعود کرتا ہے، اس میں چپک یا کثافت کم ہوتی جاتی ہے لیکن ختم نہیں ہوتی۔ ختم نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دخان خلا کو ظاہر کر کے ڈائی مینشن (الوژن) کو قائم رکھتا ہے۔ یا الفاظ دیگر دخان مخلوق ہے۔ یہ ہر شے کے مخلوق ہونے کی حالت کو برقرار رکھتا ہے۔

ہر شے کی موت دوسری شے کی زندگی ہے اور زندگی موت ہے

موت اور زندگی ایک فارمولا (Equation) ہے۔

زمین اللہ کی ہے۔ کسان کو بھی اللہ نے پیدا کیا۔ کسان نے زمین میں جو بیج بویا وہ بیج بھی اللہ کی تخلیق ہے۔ بیج کی نشو نما کے لیے آسمان سے برسنے والے پانی کا خالق بھی اللہ ہے۔ اللہ کے حکم سے یہ بیج زمین سے نمودار ہو کر پورے یا فصل کی شکل اختیار کرتا ہے۔ دن میں سورج کی روشنی اور رات میں چاند کی کرنیں اس فصل کی تمام ضروریات کو پورا کرتی ہیں۔ سورج اور چاند بھی اللہ کی مخلوق اور اس کے حکم کے تابع ہیں۔ فصل تیار ہوتی ہیں اور ہماری خوراک کا حصہ بنتی ہے۔ درمیان میں جو مراحل آئے وہ بھی اللہ کے حکم سے خالی نہیں۔

آدمی محنت کرتا ہے۔ محنت کے لیے صحت و قوت اور روزگار کے ذرائع عطا کرنے والی ذات بھی اللہ پاک کی ہے۔ جسم کو زندہ اور متحرک رکھنے کے لیے نظامِ تنفس اور رگوں میں دوڑتا خون بھی خالق کے حکم کا محتاج ہے۔ اناج کی تخلیق سے لے کر خوراک کے جسم سے خارج ہونے تک کے سارے عمل کو خدمت اور محبت کے علاوہ کچھ نام نہیں دیا جا سکتا جس میں خالق کائنات اور اس کا بنایا ہوا نظام دن رات مصروف ہے۔

جڑی بوٹیاں، پھل پھول اور پودے بھی اللہ کی مخلوق ہیں جس طرح انسان کی پیدائش مرحلہ وار عمل کے تحت ہوتی ہے۔ اسی طرح نباتات، جمادات اور حیوانات بھی پیدا ہوتے ہیں۔ سب کو رزق دینے والا اللہ ہے۔ کائنات کی تخلیق اس طرح کی گئی ہے کہ ہر ذرہ دوسرے ذرے کا نیاز مند ہے۔ ہر مخلوق قدرت کے بنائے گئے Mechanism کے تحت ایک دوسرے کی خدمت میں مصروف ہے۔

وجود کے دو رخ ہیں۔ وجود کا ایک رخ Conscious ہے اور وجود کا دوسرا رخ Subconscious ہے۔ کوئی وجود چاہے وہ مرئی (مادی) ہو یا غیر مرئی، دو رخوں کا محتاج ہے۔ دونوں رخ ایسی مقداروں پر تخلیق ہوئے ہیں جو اس قانون سے باہر نہیں۔ جب تک دو رخ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کر کے ایک دوسرے کو قبول نہیں کرتے یعنی ایک دوسرے میں جذب نہیں ہوتے تیسرا وجود ظاہر نہیں ہوگا۔ اور یہ وہ قانون ہے جو تمام آسمانی صحیفوں اور کتابوں میں مختلف زاویوں سے بیان کیا گیا ہے۔

اس کی واضح مثال اندھیرا، روشنی، روشنی اندھیرا، گرم ٹھنڈا، کڑ واپھیکا، گرمی سردی، بھوک پیاس، سونا جاگنا، کسی کو چاہنا اور یہ طلب کہ کوئی اسے چاہے۔۔۔ جتنا آپ زندگی کا تجزیہ کریں اتنا ہی یہ معمہ حل ہوتا چلا جائے گا۔ یہاں تک کہ ایسے نقطے پر پہنچ جائیں گے جہاں دوسرے رخ کا تذکرہ ممکن نہ ہو۔

خالقِ کائنات اللہ آسمانی کتابوں اور آخری آسمانی کتاب قرآن کریم میں جگہ جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تخلیقِ کائنات پر غور کرو۔۔۔ زمین سے نمودار ہونے والے رنگ رنگ پھل، مخمل کی طرح ملائم خوشبو سے معطر پھول، اور زمین کے اندر موجود ظاہر ہونے والی معدنیات اور گیسز وغیرہ پر جب ''اولی الالباب'' (صاحب) اللہ کی دی ہوئی توفیق کے ساتھ تفکر کرتے ہیں تو وہ یہ مشاہدہ کر لیتے ہیں کہ خالق کائنات کی تخلیق میں دو وجود زیرِ بحث اتے ہیں۔ جب تک وجود نہیں ملتے تیسرا وجود مظہر نہیں بنتا۔ اور جب تیسرا وجود مظہر بنتا ہے اس کے بھی دو رخ ہیں یہ ایسا مسلسل عمل ہے جو تخلیقی فارمولا ہے۔ اور اس علم کو آسمانی کتابوں کے مطابق نوعِ انسانی کے وہ افراد حاصل کر سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات یعنی نشانیوں میں تفکر کرتے ہیں، ریسرچ کرتے ہیں، کھوج لگاتے ہیں۔ شے کی کنہ تک پہنچنے کی جد و جہد کرتے ہیں، غلاف در غلاف تخلیق میں بند پردوں کو اللہ کی دی ہوئی توفیق کے ساتھ کھول دیتے ہیں۔ یہ ایسا معمہ نہیں ہے جو سمجھ نہ آئے۔ ہر شخص اس پر تفکر (ریسرچ) کر کے، غور کر کے۔ عقل و دانائی کے ساتھ بڑی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ آسمانی کتاب قرآن میں جو اللہ نے اپنے آخری پیغمبر پر نازل فرمائی ہے واضح ارشاد:

''اور ہم نے اس قرآن کو سمجھنا آسان کر دیا ہے۔ ہے کوئی سمجھنے والا۔؟'' (۵۴۔۱۷)

بندہ جب اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق ''اولی الالباب'' کے گروہ میں شامل ہو کر قدرت نے جو مشاہدات میں منظر کشی کی ہے مثلاً چاند، سورج، ستارے رنگ رنگ پہاڑ، رنگ رنگ سمندر اور رنگ رنگ پرندوں کے پر اور رنگ رنگ پھول اور پودوں پر تفکر کرتا ہے تو دماغ میں ایسے در کھل جاتے ہیں (یعنی خلیے چارج ہو جاتے ہیں) کہ آدمی کی نظر محدودیت کے دائرہ کار سے نکل کر لامحدود حدوں سے آگے نکل جاتی ہے۔ یہ وہ عمل ہے جسے تمام پیغمبروں نے تفکر کا نام دیا ہے۔

جب ہم تفکر کرتے ہیں تو ہمارے اندر ضمیر جو نورِ باطن ہے ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ اس تفکر کے ذریعے زمین اور سات آسمان اور اس کے اوپر کے مقامات ہماری ان آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں جو خواب کے حواس میں کام کرتی ہیں۔

اس علم کو کیسے حاصل کیا جائے۔۔۔ کیسے پردہ کشائی ہو۔ حقیقت تک رسائی کیسے ممکن ہے۔۔۔ اس کا جواب آسان ہے۔

مادی وجود چاہے نہ چاہے دوسری مخلوق کی خدمت میں مصروف ہے۔ زمین اپنی کوکھ میں جب نطفہ (نطفہ سے مراد تخم) اپنے رحم میں محفوظ کر لیتی ہے تو اس کی نشو نما کرتی ہے اور اس نشو نما میں جتنے عناصر ہیں ان کو عناصر اربعہ کہتے ہیں یعنی آگ، ہوا، مٹی اور پانی ہاتھ باندھے غلام کی طرح خدمت میں مصروف ہیں۔

(ہر شے دوسری شے کے لیے موت کے منہ میں جا رہی ہے۔ وہ شے جو موت میں منتقل ہو رہی ہے کسی دوسری شے کے لیے حیات بن رہی ہے۔ رات موت کے منہ میں جاتی ہے تو سحر ہوتی ہے۔ دن پر موت وارد ہوتی ہے تو رات نظروں کے سامنے آ جاتی ہے۔ اسی طرح گندم ہم کھاتے ہیں۔)

اس کا یہ مطلب نہیں کہ گندم ہمارے اندر دفن ہو جاتا ہے بلکہ گندم جسم میں جانے کے بعد اپنی انرجی سے ہمیں پروان چڑھاتا ہے اور خود فضلہ بن کر جسم سے خارج ہو جاتا ہے۔ جب ہوا آکسیجن بن کر جسم میں تحلیل ہوئی تو کیا اس پر موت وارد نہیں ہوئی؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ موت زندگی اور زندگی موت ہے موت اور زندگی ملتے ہیں تو حیات بنتی ہے۔ حیات سے مراد تیسرے وجود کی تخلیق ہے۔ یہ ایسا سلسلہ ہے جو اللہ نے اپنی مخلوق کی نشو نما، تحفظ، آرام اور راحت کے لیے قائم کیا ہے اور انھیں زمین پر ہمارا خادم بنایا ہے۔

اگر زمین ہماری خادم ہے تو ہم بھی نافرمان نہیں۔ ہم بھی زمین کی خدمت کر رہے ہیں۔ اگر زمین کے ذرّات ایثار کر کے ہمیں وجود بخشتے ہیں تو اسی طرح ہم بھی ایثار کر کے زمین کے ذرات کو وجود بخش رہے ہیں۔ کیا یہ ہمارا مشاہدہ نہیں کہ جسم جب مٹی میں چھپا دیا جاتا ہے تو وہاں جو بھی پروسیس ہو، پورا جسم، گوشت، پوست پھیپھڑے، آنتیں یا وہ صورتیں جو پسندیدہ اور ناپسندیدہ ہیں۔۔۔ وہ سب مٹی میں تبدیل نہیں ہو جاتے؟ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ زمین کے ذرات سے بننے والے وجود جو عارضی اور فکشن ہے وہ دوبارہ زمین کے ذرات میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

معروف روحانی سائنسدان حضور قلندر بابا اولیاءؒ اس حقیقت کو اپنی رباعی میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

آدم کا کوئی نقش نہیں ہے بیکار
اس خاک کی تخلیق میں جلوے ہیں ہزار
دستہ جو ہے کوزے کو اٹھانے کے لیے

یہ ساعد سیمیں سے بناتا ہے کمہار

آدم کا کوئی نقش بے کار نہیں ہر نقش گوشت پوست، ہڈی، دل، گردے وغیرہ مٹی میں دفن ہو کر مٹی بن جاتے ہیں۔ کمہار جاتا ہے اس مٹی کو اٹھا لاتا ہے اور اس سے کوزہ بناتا ہے۔ اور نازنین ماہ جبین کی خوبصورت کلائی کی مٹی سے کوزہ میں دستہ لگا دیتا ہے اور اس میں مشروب پیا جاتا ہے۔ شربت ہو، پانی ہو یا شراب۔

ہر تخلیق مٹی کا مرکب نظر آتی ہے۔ لیکن یہ مٹی دراصل ہے کیا؟ مختلف تخلیقات کی صورت میں ظاہر ہو رہی ہے؟

روحانیت کی زبان میں مٹی کا مطلب صرف مٹی نہیں بلکہ یہ ایک ایسا مظہر ہے، ایسا Mechanism ہے جس میں تخلیق فارمولے متحرک ہیں اور اس میں چھپی ہوئی مقداروں سے نئی نئی تخلیق ظاہر ہو رہی ہے۔ یہ فارمولے جن کی بنیاد اللہ کا نور ہے، خالق کائنات کی صناعی کا مظہر ہیں۔ اور اللہ کی صناعی کے راز ان لوگوں پر روشن ہوتے ہیں جو خالص اس کی راہ میں جد و جہد کرتے ہیں۔ تفکر کرتے ہیں۔ سوچتے ہیں۔ تحقیق و تلاش کی جستجو رکھتے ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"جو لوگ میرے لئے جد و جہد کرتے ہیں میں ان کے کے لیے اپنی راہیں کھول دیتا ہوں۔" (۲۹: ۶۹)

اللہ رب العالمین ہے۔ اس کی رحمتیں اور برکتیں بلا تفریق مذہب و ملت منکر تابع سب کے لیے ہیں۔ چاند، سورج، ستارے، بارش، زمین وغیرہ ہر مخلوق کو اللہ کے حکم سے فیض پہنچا رہے ہیں۔ اسی طرح ازل میں حضرت آدمؑ کو دیا گیا علم بھی نوعِ انسانی کا ورثہ ہے۔ ایک شخص چاہے جو بھی عقیدہ رکھتا ہو اگر کائنات میں تفکر کو اپنا شعار بنا لیتا ہے تو الٰہی قانون کے مطابق اس پر حقائق منکشف ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

مسلمانوں نے جب تفکر کو اپنایا تو ہر شعبہ میں عروج حاصل کیا۔ وقت معلوم کرنے کے لیے دھوپ گھڑی (Sundial) کا موجد احمد بن محمد کثیر فرغانی تھا جبکہ گھڑی مسلم سائنسدان احمد بن موسیٰ شاکر نے ۸۵۳ عیسوی میں ایجاد کی۔ جابر بن سنان البطانی نے شمسی سال پر تحقیق کی اور دریافت کیا کہ ایک سال ۳۶۵ دن، پانچ گھنٹے، چالیس منٹ اور چوبیس سیکنڈ طویل ہوتا ہے۔ ابراہیم ابن سنان نے سورج کی ظاہری حرکات اور شمسی ساعتیں (Solar Hours) معلوم کیں۔ ابو سعید احمد بجتانی نے ۱۰۲۴ء میں زمین کی گردش کا نظریہ پیش کیا۔ ابو جعفر محمد بن ابن موسیٰ الخوارزمی ماہر فلکیات، ریاضی دان اور تاریخ کے علم کا ماہر تھا۔ موجودہ دور کی تمام ترقی اس کی تحقیقی علوم کی بدولت ہے۔ انسانی تاریخ کا پہلا باضابطہ کیمیادان جابر بن حیان تھا۔ ثابت بن قرۃ نے طب میں علم تشریح یعنی anatomy کی طرف خاص توجہ کی اور انسانی اعضا کے متعلق جدید معلومات حاصل کر کے کتابیں تحریر کیں۔

ریاضی میں جیومیٹری کی اشکال کے متعلق ایسے مسائل اور کلیات دریافت کیے جو اس سے پہلے معلوم نہ تھے۔ دنیا کی سب سے پہلی انسائیکلو پیڈیا دسویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کی ایک جماعت ''اخوان الصفا'' نے مرتب کی۔ مسلم موسیقار امیر خسرو نے موسیقی کو نت نئے ساز اور آلات دیئے۔ صرف یہی نہیں مسلم سائنس دانوں کی ایجادات کی فہرست طویل ہے اور ہمارے صفحات کم ہیں۔

جب تحقیق و تلاش کا یہ سلسلہ رکا تو مسلمانوں کا زوال شروع ہوا جو آج بھی جاری ہے۔ مغرب نے مسلمانوں کی ریسرچ سے استفادہ کیا اور مسلم دانشوروں اور سائنس دانوں کی کتب کا ترجمہ کر کے اپنے نصاب میں شامل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ تحقیق و تلاش اور ترقی کا سورج کو کبھی مشرق میں روشن تھا آج مغرب کو منور کر رہا ہے۔

قوموں کے عروج و زوال کا انحصار تفکر پر ہے۔ قرآن ۷۵۰ مقامات پر نوع انسانی کو اللہ کی نشانیوں پر غور کرنے کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ موجودہ سائنس ٹائم اینڈ اسپیس کو تسخیر کرنے کی کھوج میں ہے اور اس کا فارمولا آخری کتاب قرآن میں ہے۔

قرآن کی صورت میں علوم کا ذخیرہ ہمارے اپنے گھروں میں موجود ہے۔۔۔ لیکن خوبصورت غلافوں میں بند۔۔۔ جو وقت ادھر اُدھر کی باتوں اور گلے شکووں میں ضائع ہوتا ہے وہ ذہن کو انتشار، کڑھنے اور حسد کے سوا کچھ نہیں دیتا۔ غیر ضروری باتوں میں الجھے بغیر ہم روزانہ تھوڑی دیر قرآن کو پڑھیں اور سمجھنے کی کوشش کریں تو نہ صرف خود آگہی ملے گی بلکہ ذہن میں موجود کائنات کی لامحدود وسعتیں بھی سامنے آئیں گی۔۔

ہر شے سایہ ہے

سایہ کیا ہے اور سائے کی مساوات کیا ہے؟ عرصہ دراز سے جواب کی جستجو میں ہوں۔ دیوار اور زمین پر بننے والے سایوں کو دیکھتی ہوں۔ یہ دن کی روشنی میں چھوٹے اور گہرے ہوتے ہیں، رات کی روشنی میں دراز اور مدہم نظر آتے ہیں۔ دن میں ایک سے زیادہ سائے بنتے ہیں لیکن تیز روشنی کی وجہ سے کم تعداد میں نظر آتے ہیں۔ رات میں بھی تعداد ایک سے زیادہ ہوتی ہے اور ترتیب سے ہر سائے کا سایہ نظر آتا ہے۔ سائے کی طوالت کا تعلق سورج کے زمین سے قریب دور ہونے سے ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ سورج قریب ہو یا دور، ہر چھوٹی بڑی تخلیق کا سایہ ہمہ وقت زمین پر موجود رہتا ہے اور گھٹتا بڑھتا ہے۔

زمین اور دیوار پر بننے والے سایوں پر غور کیا تو دلچسپ مشاہدات ہوئے۔ سائے اجسام کی حرکت کے تابع تھے جیسے درخت کی شاخیں لہلہانے سے زمین پر ان کا سایہ لہلہایا۔ شاخ پر بیٹھا پرندہ اڑا تو اس کے سائے نے بھی پرواز کی۔ دو آدمی دھوپ میں کھڑے بات کر رہے تھے۔ ان کے سائے پر نظر ٹھہری تو فریب نے جال بنا کہ آدمی نہیں، ان کے سائے بول رہے ہیں اور ہاتھ ہلا رہے ہیں۔ نقوش واضح نہ ہو سکے لیکن جسمانی خاکہ نمایاں تھا جس سے علم ہوا کہ کون بول رہا ہے اور کون خاموش ہے۔

طویل اور مختصر سفر کے دوران گاڑی اور موٹر سائیکل سواروں کے سڑک پر بننے والے سائے دیکھے۔ ہر سایہ پوری حرکات کے ساتھ مجسم تھا۔ یاد نہیں رہا کہ میں سایہ دیکھ رہی ہوں۔ جب نظر مظاہرے پر ہو، جہاں سے اطلاع آرہی ہے، وہاں نہ ہو تو ہم سائے کو اصل سمجھ کر گمان کرتے ہیں کہ سایہ حرکت کرتا ہے جبکہ سایہ محض عکس ہے جو کہیں سے آنے والی اطلاع کا مظاہرہ ہے۔ اس نکتے کی روشنی میں اطلاع اور مظاہرے کو مشاہداتی طرزوں میں سمجھا جا سکتا ہے۔

تجربہ: دن کی روشنی میں بیٹری سے چلنے والا ہرن فرش پر رکھا تو کچھ فاصلے پر پیچھے کی طرف دیوار پر ہرن کا سایہ بنا۔ سائے کو دیکھنے سے دماغ کی اسکرین پر تصویر بنی اور نظر آیا کہ ہرن کھڑا ہے۔ ہرن نے پہلے دائیں بائیں دیکھا، چند قدم لیے اور قلانچیں بھریں۔ بیٹری میں توانائی کی مقدار صفر پر پہنچتے ہی ہرن ساکت ہو گیا۔

یہ حقیقت کا مشاہدہ تھا، فریب کا یا حقیقت سے واقف ہونے کا، فیصلہ قارئین کریں۔

نظر اب تک دیوار پر تھی کیونکہ انتظار تھا کہ ہرن دوبارہ حرکت کب کرے گا۔ بھول گئی کہ جس ہرن (سایہ) کو میں دیکھ رہی ہوں، وہ اطلاع کا مظاہرہ ہے۔ حرکت اطلاع میں ہے، مظاہرے میں نہیں ہے۔ اطلاع حرکت کرتی ہے۔ مظاہرہ حرکت کو ظاہر کرتا ہے۔

جس ہرن (سایہ) کو میں دیکھ رہی تھی جب اُس نے گردن گھمائی تو یہ اُس ہرن نے گردن نہیں گھمائی جسے میں دیکھ رہی تھی۔۔۔ گردن قریب موجود بیٹری سے چلنے والے ہرن نے گھمائی تھی جس کی اطلاع کچھ فاصلے پر پیچھے کی طرف نظر آنے والے ہرن (سایہ) تک پہنچی۔ایسے میں بیٹری سے چلنے والے ہرن کی حیثیت اطلاع کی ہے۔ بیٹری کو کہاں سے تحریک ملتی ہے،اس کی وضاحت مضمون میں موجود ہے۔

فارمولا یہ ہے،

ایک اطلاع ہے۔ایک مظاہرہ ہے۔

اطلاع بھی ہرن ہے اور مظاہرہ بھی

لیکن مظاہرہ اطلاع کا سایہ (عکس) ہے

حرکت اطلاع میں ہے، سائے میں نہیں

سایہ اطلاع کو ظاہر کرنے کا وسیلہ ہے۔

ایک بیٹری والا ہرن ہے، دوسرا سایہ ہے۔ سایہ مظاہرہ ہے اور بیٹری والا ہرن سائے کے لئے اطلاع ہے۔

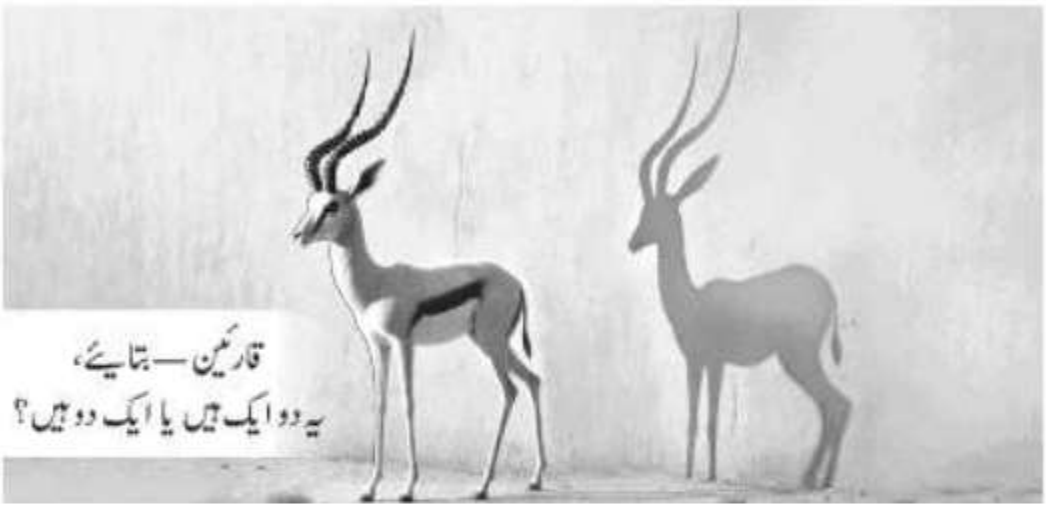

تحقیق و تلاش (سائنس) کہتی ہے کہ سایہ تاریک یا دھندلا حصہ ہے جو روشنی کے راستے میں رکاوٹ کی وجہ سے بنتا ہے۔ روشنی ہر لمحہ سفر میں ہے۔ روشنی کے درمیان میں کوئی جسم آتا ہے تو روشنی کا کچھ حصہ آگے بڑھنے سے رک جاتا ہے اور جسمانی ہیولے کے مطابق تاریکی کو ظاہر کرتا ہے جسے ''

سایہ'' کہتے ہیں۔تاریک حصہ آس پاس روشنی بکھرنے اور انعکاس کی وجہ سے مکمل تاریک نہیں ہوتا بلکہ نسبتاً کم روشن ہوتا ہے۔سائنس یہ کہتی ہے کہ سایہ دن یعنی روشنی کی موجودگی میں بنتا ہے، رات میں سائے نہیں بنتے۔

سائنس ایسا کیوں کہتی ہے، اس سے قطع نظر علمائے روحانیت فرماتے ہیں کہ رات، دن کی طرح روشن ہے۔رات کے رنگوں سے غیر مانوسیت کو'' اندھیرا'' کہہ دیا گیا ہے۔

''راز'' یہ ہے کہ ہمیں سورج سے منعکس شدہ روشنی میں دیکھنے کی عادت ہے۔ہم براہ راست نہیں دیکھتے۔بالواسطہ دیکھنا یہ ہے کہ جب تک روشنی یا لہر کسی چیز سے ٹکرا کر واپس مظاہرہ نہیں بنتی، ہم نہیں دیکھتے۔ہم رکاوٹ کے دیکھنے کو دیکھتے ہیں جس کو reflection یا عکس کہتے ہیں۔یہ دیکھنے کی ناقص طرز ہے۔

دن اور رات کیا ہیں۔۔۔؟ جب لاشعور سے انے والی روشن لہروں کے درمیان خلا بڑھتا ہے تو یہ دن ہے اور جب شعاعوں کے درمیان خلا سمٹتا ہے تو اس مظہر کا نام رات ہے۔ہم خلا کے دیکھنے کو دیکھتے ہیں۔

سائے کا موضوع اتنا وسیع ہے کہ بات سے بات نکلے گی اور زمین کا محیط بشمول رنگوں کا نظام زیرِ بحث آجاتا ہے۔اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ سایہ اصل کی نقل ہے۔۔ نقل۔۔۔اصل سے دوری کو ظاہر کرتی ہے۔سوالیہ نشان یہ ہے کہ قرب اور دوری کیا ہے؟

گفتگو میں مصروف دو آدمیوں کے سایوں پر نگاہ مرکوز کرنے سے ذہن کھلا کہ جسم کے ساتھ بولنے والے کی آواز بھی سائے میں موجود ہوتی ہے۔جس طرح سراب زمین پر، فضا میں اور پانی پر بنتا ہے، اسی طرح صوتی سائے بننے کے ایک سے زیادہ میکانزم ہیں۔آواز (صوت) کے فضا میں بننے والے سائے کو ہم بازگشت یعنی echo کہتے ہیں۔بازگشت کو ہم ایک خاص فاصلے تک سنتے ہیں، سماعتی حد محدود ہونے سے بعد ازاں اسے غائب سمجھ لیتے ہیں۔

اگرچہ سایہ پوری جسمانی حرکات، جذبات اور آواز کے ساتھ ریکارڈ ہوتا ہے لیکن زمین پر بننے والے سائے میں بولنے والے کے چہرے کے زاویے ظاہر ہوتے ہیں، آواز سنائی نہیں دیتی۔ تفکر نشاندہی کرتا ہے کہ آواز کی لہریں جسم کے مقابلے میں لطیف ہیں۔یہ زمین یا دیوار میں جذب ہو کر بہت مدہم ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے ہم اسے سننے سے قاصر ہیں لیکن ہم سن سکتے ہیں۔

سایہ ہماری طرح رنگین ہے لیکن تاریک نظر آتا ہے۔وجہ یہ ہے کہ یہ مٹی کے جسم سے الگ ایک وجود ہے اور اس کا تعلق ایسے نظام سے ہے جس کے رنگ دیکھنے کے لئے آدمی کی بصیرت اور بصارت محدود ہے۔

دستک: تفکر کے دوران ایک سے زیادہ بننے والے سایوں نے بار بار دستکدی۔ ذہن متوجہ ہوا کہ ہر سائے کا سایہ ہے جو روشنی سے دور ہونے کی وجہ سے بتدریج ہلکا ہوتا جاتا۔ تعداد پر تفکر سے بند ذہن کھلا کہ زمین پر ہر شے سایہ ہے۔ آدمی یا ہرن کا سایہ فرش یا دیوار پر بنتا ہے تو اس اعتبار سے آدمی بھی کہیں سے آیا ہے اور کہیں جا رہا ہے۔ وہ کائنات ریکارڈ میں موجود اپنے کردار کا زمین پر سایہ ہے۔

فہم: لاشعور سے روشنی آتی ہے اور کہکشانی نظاموں مین پھیلتی ہے۔ روشنی میں پوری کائنات کی اطلاعات ہیں۔ پروجیکٹر پر فلم کے فیتے کی طرح جس میں پوری فلم ریکارڈ ہے، جب فیتے پر سے روشنی گزرتی ہے تو اس پر نقش تصاویر کے سایوں کو اسکرین پر بکھیر دیتی ہے۔ 1908ء تک یہ سائے بلیک اینڈ وائٹ تھے۔ جب محقق نے اس علم میں تفکر کیا تو فیتے پر ریکارڈ تصاویر کے رنگین سایوں کو اسکرین پر رنگین ظاہر کرنے کا علم دریافت کر لیا۔

سوال: فہم کی رُو سے آدمی سمیت زمین پر مخلوقات کی حیثیت کیا ہوئی۔۔؟

لاشعور سے روشنی آتی ہے۔ اس کی راہ میں جتنے سیارے یا نظام آتے ہیں، روشنی کائناتی فیتے پر موجود اطلاعات کا عکس (سایہ) ان نظاموں میں بکھیر دیتی ہے۔ سمجھنے کے لیے مضمون میں دی گئی ہرن کی مثال دوبارہ پڑھئے۔

سائے کی حقیقت کیا ہے، میں نہیں جانتی۔ اب تک سائے کو سورج سے منعکس شدہ روشنی میں دیکھا ہے یا بلب کی روشنی میں، براہ راست نہیں دیکھا لیکن تفکر کے ذوق نے سائے سے انسیت پیدا کی ہے۔ میں سائے کی تلاش میں تھی، جانے بغیر کہ میں خود ایک سایہ ہوں جس کا ریکارڈ لاشعور میں نقش ہے۔ میرا ریکارڈ کسی اور مقام پر حرکت میں ہے اور میں ریکارڈ کے زمین پر ظاہر ہونے کا ایک میڈیم ہوں۔

یہ خیال کہ میں کون ہوں اور سایہ کیا ہے، سائے میں پیدا نہیں ہوا۔ یہ تقاضہ وہاں موجود ہے جہاں سے میرے ہونے کی اطلاعات زمین پر ظاہر ہو رہی ہیں۔ اپنے ہونے کا احساس جب زمین پر میرے سائے میں منتقل ہوتا ہے تو میں ہرن کی طرح متحرک کھلونا بن جاتی ہوں۔

سایوں کی تعداد نے اشارہ کیا کہ آدمی کے لاشمار پرت ہیں۔ ہر پرت اپنے سے پہلے پرت کا سایہ ہے۔ جتنے سائے ہیں، دوسری دنیاؤں میں آدمی کی موجودگی کو ظاہر کرتے ہیں۔ ہلکے اور گہرے تمام سائے کسی نہ کسی زمین پر فرد ہیں۔ جو سایہ کائنات کی جس زمین سے مناسبت رکھتا ہے، یہاں پر موجود آدمی شعوری طور پر اس زمین پر متحرک ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ حرکت کے ''محرک'' سے واقف ہو جائے۔

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارا رب کیسے سائے کو دراز کر دیتا ہے؟ اگر وہ چاہتا تو اسے ضرور ساکن کر دیتا پھر ہم (اللہ) نے سورج کو سائے پر دلیل بنایا ہے۔ پھر ہم اس سائے کو بتدریج اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں۔''

(الفرقان: ۴۵۔۴۶)

ہم اللہ کی عطا کردہ نعمت سے محروم کیوں ہیں؟

قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی صفات پر مشتمل علوم کی دستاویز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن تجلیات و انوارات پر کائنات تخلیق کی اس کا علم قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے۔ ان تخلیقی قوانین اور فارمولوں میں تسخیر کائنات کا علم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کتاب اور حکمت کو اپنی نعمت بتایا اور اس نعمت کی تکمیل سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حکمت کی یہ نعمت عالمین میں تقسیم فرما رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

درحقیقت اہلِ ایمان پر اللہ تعالیٰ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو اُس کی آیات تلاوت کرتے ہیں، اُن کی زندگیوں کو سنوارتے ہیں اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں، حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح (کھلی) گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔ (۳۔ ۱۶۴)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے چار مقاصد تھے۔

۱۔ تلاوت آیات

۲۔ تزکیہ نفس

۳۔ تعلیمِ کتاب

۴۔ تعلیمِ حکمت

تلاوت کے معانی "پڑھنا اور مطالعہ" کرنا ہیں۔ مفہوم یہ ہے کہ "حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک اس طرح پہنچا دیں کہ عملی زندگی قرآن کے مطابق ہو جائے۔ کسی نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خلقِ عظیم کیا ہے؟

انہوں نے فرمایا "کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ جو کچھ قرآن میں ہے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خلقِ عظیم ہے۔"

پیغام کی موثر ترسیل اس وقت ممکن ہے جب پڑھنے والا خود پیغام سے واقف ہو۔ اس میں پوشیدہ مخفی راز اس کے سامنے عیاں ہوں۔ اس کا دل کدورت سے پاک ہو۔ زندگی کا مقصد اللہ تعالی اور اس کے پیغمبر محمد ﷺ کی محبت کا حصول اور اللہ کی مخلوق کی فلاح ہو۔

یہ اسی وقت ممکن ہے جب قرآنی آیات کو سمجھ کر غور و فکر کے ساتھ پڑھا جائے، معنی اور مفہوم پر غور کیا جائے اور پھر اس پر عمل کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے کہ جو اس کی راہوں میں جد و جہد کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنی راہیں کھول دیں گے۔ بندہ جب قرآن پڑھتا ہے، معنی و مفہوم پر غور کرتا ہے تو اللہ کے وعدے کے مطابق اس کے اندر روحانی صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں، دماغ کے کروڑوں خلیے (سیلز) کھل جاتے ہیں اور انسان باطنی دنیا کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ جب کوئی بندہ غور و فکر کے ساتھ قرآنی آیات پڑھتا ہے تو اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اور ہم نے قرآن کو سمجھنا آسان کر دیا ہے، کوئی ہے سمجھنے والا؟" (۱۷:۵۴)

قرآن کریم کی ابتدائی آیات غارِ حرا میں نازل ہوئیں جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فطرت کی نشانیوں اور حقیقت کی تلاش میں غور و فکر فرمایا کرتے تھے۔ آیاتِ الٰہی پر تفکر انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کی حیثیت سے امت مسلمہ پر لازم ہے کہ غور و فکر کی تعلیمات اور سنت پر عمل پیرا ہو کر شعوری ارتقا اور ذہنی وسعت حاصل کرے۔ غارِ حرا کی سنت سمت مسلمہ کے لیے اس بات کا پیغام ہے کہ باطن میں موجود انوارات اور روشنیوں کو تلاش کر کے ان کے اندر تفکر کیا جائے۔

قرآن پاک کا دعویٰ ہے کہ دین مکمل کر دیا گیا ہے یعنی نوعِ انسانی کی معاشرتی، علمی، اخلاقی اور روحانی ترقی کے اصول و قواعد واضح طور پر بیان کر دیئے گئے ہیں۔ قرآن پاک نوع انسانی کا ورثہ ہے۔ یہ کسی ایک قوم کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ نوعِ انسانی میں جو قوم اس ورثہ سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہے، قرآن اس کی رہنمائی کرتا ہے۔ سورۃ القلم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"حالانکہ یہ تو سارے عالمین کے لئے ایک نصیحت ہے۔" (۶۸:۵۲)

سورۃ البقرہ کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالی فرماتے ہیں:

"یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ ہدایت ہے متقیوں کے لئے۔" (۲:۲)

متقی لوگ کون ہیں۔۔۔؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔"

غیب پر ایمان کا مطلب ہے یقین اور یقین مشاہدے کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ متقی کی دوسری نشانی بتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے:

"نماز قائم کرتے ہیں جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔" (۲:۳)

نماز قائم کرنے کا مطلب ہے ان کا اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم ہوتا اور رزق خرچ کرنے سے مراد ہے کہ ان کا ایمان ہوتا ہے کہ ہم جو کچھ خرچ کر رہے ہیں یہ ہمارا نہیں بلکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ جتنے بھی وسائل ہمارے لئے موجود ہیں جیسے ماں باپ، بیوی بچے، کاروبار، پیدائش، موت یہ سب اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔

جب یہ صفات کسی انسان کے اندر آجائیں گی اس کو قرآن کریم سے ہدایت ملے گی اور اس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

قرآن پاک بلا تفریق ہر مذہب و ملت کے لیے رہنمائی ہے۔ جس نے بھی اس کتاب کی آیات کو اپنا قاعدہ بنایا، اللہ کے قانون کے مطابق اس پر انعامات کے دروازے کھل گئے۔

قرآن ہمارا ہے اور قرآن واشگاف الفاظ میں کہتا ہے کہ لوہے میں انسانوں کے لیے بے شمار فائدے موجود ہیں۔ اس ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن پاک یہ کہہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فائدے لوہے کے اندر محفوظ کر دیے ہیں انہیں تلاش کرو اور جب تم انہیں تلاش کر لو گے تو ان سے اللہ کی مخلوق کو فائدہ پہنچے گا اور اللہ کی مخلوق میں تمہاری عزت و توقیر ہو گی۔

اہلِ یورپ لوہے، تانبے اور زمین کے اندر خزانوں کی تلاش میں جب سرگرداں ہوئے تو قانونِ قدرت کے مطابق ان کے اوپر زمین کے خزانوں نے خود ہی اپنی افادیت ظاہر کرنا شروع کر دی اور انہوں نے لوہے، تانبے اور دیگر دھاتوں کے مرکب سے

ایسی ایجادات مین کامیابی حاصل کر لی کہ وہ اقوام عالم میں ممتاز ہو گئے۔ ہواؤں میں اڑنا زندگی کا معمول بن گیا ہے سمندروں اور دریا کی سطح پر تیرنا اور ہزاروں لاکھوں ٹن سامان اِدھر سے اُدھر پہنچانا ایک عام بات بن گئی۔ ان کی ذہنی کاوشوں سے زمین کے فاصلے سمٹ گئے۔ دنیا کی خبریں اس کونے سے اُس کونے تک پہنچنے لگیں۔ اسٹیم اور بھاپ کی دریافت سے ریل گاریوں کا نظام قائم ہو۔ زمین کے اندر سے گیس اور پٹرول نکلا تو موٹر کاریں زمین پر دوڑنے لگیں نظام کے تحت دور دراز رہنے والے، رشتہ دار، پیارے دوست ایک دوسرے کے قریب آ گئے۔ انہوں نے بادوباراں کے نظام سے باخبر ہو کر ایسے انکشافات کئے کہ جن سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق آسمانی بلاؤں اور مصائب سے محفوظ رہ سکے۔

یہ سب اس لئے ہوا کہ ان مفکرین اور دانشوروں نے صحیفہ کائنات کے مطالعہ کے بعد اس کے قوانین اور ایات کو اپنی اور نوع انسانی کی بہتری کے لئے استعمال کیا۔

ایجادات و ترقی اور علم و ہنر کا سورج آج جو مغرب میں روشن ہے کبھی مشرق میں چمکتا تھااور جب مشرقی اقوام نے بالعموم اور مسلمانوں نے بالخصوص علم و ہنر کے اس سورج سے اپنا رشتہ منقطع کر لیا تو علم و ہنر نے بھی مسلمانوں سے اپنا رشتہ توڑ لیا۔

سورۃ الرعد میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

"اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔" (۱۳:۱۱)

ہم جب قرآن اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت مبارکہ کو پڑھتے ہیں اور مسلمانوں کی حالت پر نظر ڈالتے ہیں تو سوائے افسوس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ قرآن کی حقیقی تعلیم اور مسلمانوں کے عمل میں بہت بڑا تضاد واقع ہو چکا ہے۔ قرآن جس راہ کا تعین کرتا ہے اور مسلمان جس راستے پر چل رہا ہے یہ دونوں ایسی لکیریں ہیں جو آپس میں نہیں ملتیں۔

اللہ کا قانون اپنی جگہ بر حق ہے۔ جب لوگوں نے لوہے کی سلاحیتوں کو تلاش کیا وہ لوگ قومی اعتبار سے عزت دار ہو گئے اور ہم نے قرآن کی تعلیمات کو نظر انداز کیا، ہم ذلیل و خوار ہو گئے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اپنی جگہ اہم ہیں، فرض ہیں، ضروری ہیں، اس لیے کہ ان ارکان کی ادائیگی سے روح کو تقویت ملتی ہے، روحانی صلاحیتیں متحرک اور بیدار ہوتی ہیں۔ لیکن یہاں معاملہ بالکل الٹا اور برعکس ہے کہ یہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ روح کی صلاحیتیں ہمارے اندر موجود بھی ہیں یا نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا نائب بنایا ہے۔ اسے اپنی صفات کا علم دیا ہے۔

نائب کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ اگر مملکت کا صدر اپنے اختیارات کو استعمال کرنے میں کاغذ قلم کا محتاج نہ ہو تو اس نائب اختیارات استعمال کرنے میں کاغذ قلم کا محتاج ہو۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں کہ ہم نے زمین، آسمان اور اس کے اندر کو کچھ سب کا سب تمہارے تابع فرمان کر دیا ہے، تمہارے لیے سورج کو مسخر کر دیا ہے، تمہارے لیے چاند کو مسخر کر دیا ہے، تمہارے لیے ستاروں کو مسخر کر دیا ہے اور اس حاکمیت کو حاصل کرنے کے طریقے بھی بتا دئے ہیں لیکن ہم نے اس تسخیری عمل کو کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور اپنے آپ کو عذاب و ثواب کے چکر میں محدود کر لیا ہے۔

مسلمان کے پاس قرآن پاک کی صورت میں ماورائی علوم کا جتنا بڑا سرمایہ موجود ہے، وہ اسی مناسبت سے مفلوک الحال ہے۔ مسلمان کے اسلاف نے اس کے لیے حاکمیت اور تر تسخیر کائنات کے بڑے بڑے خزانے ترکہ میں چھوڑے ہیں لیکن وہ بد نصیب قوم ہے جس نے ہیرے کو پتھر سمجھ کر قدر نہیں کی اور خزانے سے مستفیض ہونے کی صلاحیتوں کو استعمال نہیں کیا یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ مسلمان نے تفکر (research) کی راہ چھوڑ دی ہے۔

کتنی مضحکہ خیز ہے یہ بات کہ قرآن کائنات پر ہماری حاکمیت اور سرداری تسلیم کر رہا ہے، ہمارے اوپر حاکمیت اور سرداری کے دروازے کھول رہا ہے اور ہم قرآن کو محض برکت کی کتاب سمجھ کر طاقوں میں سجائے رکھتے ہیں اور قرآن پر صحیح طرح عمل نہیں کرتے۔ جب کوئی دنیاوی افتاد پڑتی ہے تو اس کی آیات تلاوت کر کے مصائب سے نجات کی دعائیں مانگتے ہیں لیکن جس مقصد کے لیے قرآن نازل ہوا اس طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ ہم اعمال کے ظاہری پہلو کو تو اہمیت دیتے ہیں مگر باطن میں بہتے ہوئے سمندر میں سے ایک قطرہ آب بھی نہیں پیتے۔ قرآن میں تفکر اگر ہمارا شعار بن جائے اور ہم اس تفکر کے نتیجے میں میدان عمل میں اتر آئیں تو ساری کائنات پر ہماری سرداری مسلم ہے۔

افسوس کہ ہم ان خزانوں کو نظر انداز کر کے دوسروں کے دست نگر بنے ہوئے ہیں۔ بڑی ستم ظریفی ہے کہ ہم جب یہ دیکھتے ہیں کہ موجودہ سائنس کی ترقی میں وہ تمام فارمولے کام کر رہے ہیں جو ہمارے اسلاف نے چھوڑے ہیں اور جو فی الواقع ہمارا ورثہ ہیں لیکن چونکہ ہم نے اس ورثے کو کوئی اہمیت نہیں دی، اس لیے دوسرے لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھایا اور ہم ایک پس ماندہ اور بھکاری قوم بن گئے۔

تسخیر کائنات کے فارمولوں کے ماہر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:

اے منافقو!

کلامِ نبوت سنو!

آخرت کو دنیا کے عوض فروخت کرنے والو!

حق کو مخلوق کے عوض بیچنے والو!

باقی کو فانی کے بدلے کاروبار کرنے والو!

تمہارا بیوپار سراسر خسارے کا سودا ہے، تمہارا سرمایہ تمہیں بربادی کے گڑھے میں دھکیل رہا ہے افسوس تم پر تم اللہ تعالیٰ کے غضب کا ہدف بن رہے ہو۔۔

جوئی چیا۔۔ کنفیوشس

چین کا شمار دنیا کے قدیم ترین ممالک میں ہوتا ہے اور یہ حکمت و دانش کا مرکز رہا ہے۔ چین میں تین مذاہب خاص طور پر مروج رہے ہیں جن میں دو چین میں ظہور پذیر ہوئے۔

۱۔ تاؤازم

۲۔ کنفیوشس ازم

۳۔ بدھ ازم

یہ تینوں مذاہب آپس میں اس قدر مخلوط اور مدغم ہو گئے ہیں کہ ایک ہی شخص بیک وقت تینوں مذاہب کا پیروکار ہو سکتا ہے، حتیٰ کہ مردم شماری میں اہلِ چین کو ان مذاہب کی بنا پر مختلف گروہوں میں شمار کرنا محال ہے۔ مذہبی تعصب کے فقدان اور مذہبی رواداری کی وجہ سے چین کی تاریخ میں کوئی قتل و غارت کا واقعہ نہیں ملتا۔ ان تینوں مذاہب میں زیادہ مقبولیت جس کو حاصل رہی ہے وہ مذہب کنفیوشس ہے۔ اس کا یہ نیا نام عیسائی مشنریوں نے دیا ہے ورنہ خود اہل چین اسے "Ju-Chia" کے نام سے موسوم کرتے ہیں، جس کے معنی ہیں "علماء کی تنظیم" کنفیوشس کو چھٹی صدی قبل مسیح کا سب سے بڑا مصلح مانا جاتا ہے۔

کنفیوشس ریاست لو (موجودہ نام شن ٹنگ) کے ایک گاؤں "سو" میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد فنگشو 'سو' کے مضافات میں ایک فوجی عہدیدار تھے۔ فنگشو صاحب نے پچاس سال کی عمر میں دوسری شادی کی تھی جس سے کنفیوشس پیدا ہوئے تھے۔ چناچہ پیدائش کے وقت کنفیوشس کی نو سوتیلی بہنیں اور ایک سوتیلا اپاہج بھائی موجود تھے۔ ماں کا نام چنگ سائی تھا جوین نامی قبیلے کے ایک معزز سردار کی بیٹی تھی۔

کنفیوشس کا خاندانی نام "Kung" تھا۔ کنفیوشس دراصل (Kung-fu-tze) کی لاطینی صورت ہے جس کے معنی "ماسٹر کنگ" کے ہیں۔ جو بعد میں بگڑ کر کنفیوشس بن گیا۔

کنفیوشس کی پیدائش کے وقت ملک چین چھوٹی چھوٹی جاگیروں میں بٹا ہوا تھا۔ جن کے نواب خود غرض اور لٹیرے تھے۔ ملک میں چوری، ڈاکہ، لوٹ مار اور زنا عام تھے۔ عجیب اتفاق ہے کہ جس زمانے میں کنفیوشس پیدا ہوئے تو اسی عہد میں یروشلم میں پیغمبر دانیال۔۔۔، ہندوستان میں مہاتما بدھ۔۔۔، یونان میں فیثا غورث (ماہر ریاضی)۔۔۔ اور چین میں ایک اور مذہبی مبلغ لیوزے موجود تھے۔

اس زمانے کا ایک یونانی شاعر فوسنلکھتا ہے:

"اے فلک! اب ہمیں تیرے ستاروں کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ زمین پر اب کئی ستارے ایک ساتھ چمک رہے ہیں۔"

کنفیوشس کی عمر تین سال کی تھی کہ والدہ کا انتقال ہو گیا طفولیت کا زمانہ مصیبتوں اور پریشانیوں میں گزرا کچھ عرصہ بعد جس ریاست میں یہ پیدا ہوئے تھے یعنی لوہ (Lu) کے نواب نے ان کی غیر معمولی ذہانت اور تعلیمی ذوق کو دیکھتے ہوئے ان کی سرپرستی اور تربیت اپنے ذمہ لے لی۔

انیس برس کی عمر میں معزز گھرانے کی ایک لڑکی سے شادی کر دی گئی۔ اس رشتے سے ایک لڑکی اور دو لڑکے پیدا ہوئے۔ شادی کے کچھ عرصہ بعد نواب لو نے ان کو تعلقہ سو کے گوداموں کا داروغہ بنا دیا۔ ان کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے انہیں قربانی کے جانوروں کا نگراں اعلیٰ مقرر کر دیا گیا۔ ان کی دانائی اور فراست کی بنا پر جانوروں کی تعداد دوگنی ہو گئی۔

انیس برس کی عمر میں "دانش قدیم" کے ماہر تسلیم کئے جانے لگے۔ کنفیوشس نے "چی" جا کر اس زمانے کے مشہور موسیقی کے ماہر سیانگ سے تعلیم حاصل کی۔

۲۳ برس کی عمر میں انہوں نے تعلیم و تدریس کے میدان میں قدم رکھا اور ایک معلم کی حیثیت سے لوگوں کو تعلیم دینے لگے۔ چنانچہ ان کے زمانے کی مقتدر شخصیتیں حاضر ہو کر ان سے رہنمائی حاصل کرتی تھیں اور ان کے شاگردوں کی تعداد تین ہزار ہو گئی۔ وہ پندرہ برس تک تدریس میں مصروف رہے اور اپنے فلسفیانہ افکار سے لوگوں کو بہرہ ور کرتے رہے۔

نوجوانی کی عمر میں ان کو ماہر استاد کا خطاب ملا۔ ان کی درس گاہ میں کند ذہن طالب علموں کے لئے جگہ نہ تھی۔ وہ شاگردوں سے کہتے تھے کہ "میں مسئلے کے ایک چوتھائی حصے پر بحث کروں گا باقی تین چوتھائی حصہ طالب علم خود سمجھیں۔"

۵۲۴ قبل مسیح میں ایک سازش کا شکار ہو کر انہیں اپنے چند شاگردوں کے ساتھ وطن سے نکلنا پڑا۔ وطن سے نکل کر وہ در بدر گھومتے اور چین کے قدیم مذاہب اور رسومات کا تحقیقی مطالعہ کرتے رہے۔ ملک بدری کے زمانے میں ایک دن کوہِ تائے سے گزر رہے تھے کہ ایک عورت کے رونے کی آواز آئی۔ آپ نے ایک شاگرد کو بھیجا کہ معلوم کرے۔ معلوم ہوا کہ عورت کے شوہر اور بیٹے کو شیر نے کھا لیا ہے۔ کنفیوشس نے عورت سے کہا کہ وہ یہ جگہ چھوڑ دے مبادا شیر اس کو بھی نقصان پہنچا دے۔ عورت نے جواب دیا کہ ''مجھے کہیں چین نہیں ملے گا کیونکہ حکومت جابر اور ظالم ہے۔''

کنفیوشس نے متاثر ہو کر اپنے شاگردوں سے کہا۔''انسان شیر سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا جابر حکومت سے ڈرتا ہے۔''

وہ کئی سال تک در بدر کی ٹھوکریں کھاتے رہے جوان کی تعلیم قبول کر لیتا اس ک زندگی یکسر بدل جاتی لوگ انہیں ''جو'' (عالم دین، پرہیز) پکارتے تھے۔ عوام میں ان کی تعلیم ایک تحریک بن گئی۔

کنفیوشس کو ''Chungtoo'' کا مجسٹریٹ بنا دیا گیا۔ ان کی اصلاحات اس قدر موثر ثابت ہوئیں کہ انہیں اور اعلیٰ عہدوں کے لئے منتخب کیا جاتا رہا بالآخر انہیں وزیر انصاف مقرر کر دیا گیا۔

انہوں نے اپنے لائق شاگردوں کی مدد سے صوبہ لوِ (Lu) کی سلطنت کو قابل رشک مثالی ریاست بنا دیا لیکن کنفیوشس کی اصلاحات زمانہ کا ساتھ نہ دے سکیں۔ خود غرض لوگوں نے کنفیوشس کے دیگر معاملات میں رکاوٹیں ڈالنا شروع کر دیں۔ ہمسایہ ریاستوں نے کنفیوشس کے لیے سازشوں کا جال بچھایا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ''Chi'' کے حکمران نے حاکم لوِ(Lu) کو 80 رقاصیں اور 120 عمدہ گھوڑے بھجوائے اور ساتھ سفارش کی کہ کنفیوشس کو معزول کر دیا جائے۔ حاکم لوِ (Lu) نے ان تحائف کو قبول کر لیا اور کنفیوشس کو معزول کر دیا۔

کنفیوشس کی آرزو تھی کہ اسے کوئی سلطنت مل جائے جہاں وہ اپنے اصولوں کو نافذ کر کے ایک مثالی ریاست بنا دے۔

اگرچہ سب ہی حکمران کنفیوشس سے خطرہ محسوس کرتے تھے مگر دل میں ان کی عظمت اور دانائی کے معترف تھے۔ ایک دفعہ ریاست ''یو'' کے وزیر نے جو کنفیوشس کا معتقد تھا ان کو اپنے ہاں مہمان رکھا نواب یو کو معلوم ہوا تو اس نے آپ کو وزیر اور شاگردوں سمیت نظر بند کر دیا۔ آپ نے شاگردوں کے اتفاق رائے سے فوج سے مقابلہ کیا۔ اہلِ ''یو'' پسپا ہونے لگے تو انہوں نے کنفیوشس کو چھوڑنا منظور کر لیا۔

۴۹۱ قبل مسیح میں کنفیوشس ہر طرف سے مایوس ہو کر صرف علمی اور تدریسی کاموں میں مشغول ہو گئے تھے ان کی درسگاہ میں طلباء کی تعداد تین ہزار تک پہنچ گئی تھی انہوں نے چھ فنون کو کورس میں شامل کیا:

۱۔ عقیدہ اور مذہب

۲۔ موسیقی

۳۔ حساب

۴۔ تیر اندازی

۵۔ کوچ بانی

۶۔ تعمیر شخصیت

ان مضامین سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے شاگردوں میں نظریاتی سے زیادہ علمی استعداد پیدا کرنا چاہتے تھے۔

زیبا شین نے لکھا ہے کہ وہ طلباء میں چار چیزوں کا بالخصوص بڑا خیال رکھتے تھے۔ ادب، سیرت، شخصی محاسبہ اور دیانتداری۔۔۔۔اور چار چیزیں انہیں سخت ناپسند تھیں کند ذہنی، فیصلے میں تذبذب، تنگ نظری اور منجمد کرنے والی تقلید۔

وہ نئے امیدوار سے بطور آزمائش اشارتاً کوئی رمز کہتے۔ اگر وہ رمز پہچان جاتا تو وہ خوش ہوتے اسے درسگاہ میں شامل کر لیتے لیکن اکثر امیدوار اس امتحان میں ناکام ہو کر واپس لوٹ جاتے۔

۱۸۴ قبل مسیح میں کنفیوشس کا عزیز شاگرد ''ین ہوئی'' مر گیا اس کی موت پر آپ نے کہا'' خدا نہیں چاہتا کہ میرا مشن پورا ہو۔'' اسی سال انہوں نے بہار و خزاں کے نام سے ایک ضخیم کتاب مرتب کی۔ جس میں تاریخی مثالوں کی مدد سے ایک عالمگیر نظام حکومت پیش کیا اس کتاب کے حافظ آج بھی چین میں موجود ہیں اس کتاب کو کنفیوشس نے اپنا مکمل سرمایہ حیات کہا ہے۔ ۴۸۹ قب مسیح میں ان کا ایک اور لائق شاگرد ''سیلو'' مر گیا اس کے غم سے کنفیوشس خود بھی بیمار پڑ گئے۔ خواب میں دیکھا کہ وہ خود بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں۔ خواب کی صحیح تعبیر سات دن بعد پوری ہو گئی۔۔۔ ۴۸۹ قبل مسیح میں ۷۳ سال کی عمر میں کنفیوشس

نے وفات پائی۔ انتقال کے وقت کوئی اولاد زندہ نہیں تھی۔ کنفیوشس کو احترام کے ساتھ دفن کیا گیا اور ''کیوفو'' میں ان کا مقبرہ آج بھی قومی زیارت گاہ ہے۔

ان کے مقبرہ پر ''بہترین حکیم۔ قدیم ترین معلم'' کے الفاظ کندہ ہیں۔

کنفیوشس اپنے متعلق کہتے ہیں۔۔۔

میں روزانہ اپنے آپ سے تین سوال پوچھتا ہوں کیا میں نے اپنی بہترین صلاحیتوں سے دوسروں کی کوئی خدمت کی ہے؟ کیا میں اپنے کام اور گفتگو سے مخلص ہوں؟ کیا میں جو نصیحت دوسروں کو کرتا ہوں، خود بھی اس پر عمل کرتا ہوں؟

میں پندرہ سال کی عمر میں اپنے آپ کو مطالعہ کے لیے وقف کر دیا تیس سال کی عمر میں نیکی کی فطرت کو پا لیا چالیس سال کی عمر میں میرے شکوک رفع ہو گئے۔ پچاس سال کی عمر میں، میں نے قسمت کی حقیقت کو سمجھ لیا۔ ساٹھ سال کی عمر میں، کان میری زندگی سے ہم آہنگ ہو گئے۔ ستر سال کی عمر میں، تمام بری خواہشات سے چھٹکارا حاصل کر لیا۔

کنفیوشس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے لائق شاگردوں کا ایک گروہ تیار کر لیا جس نے دانش قدیم کو پرکھا اور انہیں مرتب کیا۔ مگر کسی معتقد نے اس کی تعلیمات میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ منگ تازو (Meng Tzu) جو عام طور پر مین شس کے نام سے مشہور ہیں وہ ان کی موت سے ایک صدی بعد پیدا ہوئے۔ مین شس نے کنفیوشی مذہب کی خدمت کی، کنفیوشی تعلیمات کی شرح و تفسیر میں بڑا اہم کردار ادا کیا اور کنفیوشس کی تعلیمات کے مختلف پہلوؤں کو ترقی دی۔

''ہن'' خاندان کے دورِ اقتدار میں کنفیوشی مذہب کو سرکاری سرپرستی حاصل ہوئی فیصلہ ہوا کہ ہر شہر میں کنفیوشی عبادت گاہیں تعمیر کی جائیں، جہاں پر قربانی موسیقی اور مذہبی رسوم کے ذریعہ کنفیوشس کو خراج عقیدت پیش کیا جائے۔ یہ عبادت در حقیقت کنفیوشس کی پرستش نہیں تھی نہ انہیں ابھی دیوتا کا مقام حاصل ہوا تھا اور نہ حاجت روائی کے لیے دعائیں مانگی جاتیں تھیں البتہ ''ہن'' خاندان کے آخری سالوں میں ان کی مورتی کنفیوشی عبادت گاہوں کی زینت بنا دی گئی اس کے کئی سو سال بعد ان کے چیدہ چیدہ معتقدوں کی مورتیاں بھی کنفیوشس کی مورتی کے ساتھ شامل کر دی گئیں۔ سولہویں صدی عیسوی میں ان مورتیوں کی جگہ لکڑی کی تختیوں پر کندہ کنفیوشی تعلیمات نے لے لی۔

چین میں سب سے زیادہ پیروکار کنفوشس ازم کے ہیں۔ کنفیوشی مت مذہب نہیں کیونکہ اس میں نہ کوئی مذہبی اجارہ داری ہے اور نہ خانقاہیں جیسا کہ بدھ مت اور تاؤمت میں ہیں پھر بھی یہ مذہب بقائے باہمی کے اصول پر چین میں مدتوں زندہ رہا۔ دراصل کنفیوشس نے کہا کہ میں اسلاف کا سرمایہ آگے منتقل کرنے والا ہوں۔ خود کچھ بنانے والا نہیں ہوں مجھے اسلاف سے محبت ہے اور عقیدت بھی۔ میں جانتا ہوں میرے الفاظ میں فراست ہے کیونکہ میں قدیم عارفوں کی فراست کو دہرا رہا ہوں۔

کتان ''Doctrine of means'' جو کنفیوشس کے پوتے کی طرف منسوب ہے میں لکھا ہے کہ: کنفیوشس نے ''یاؤ'' اور ''رشن'' کے اصولوں کی ترویج کی گویا وہ ان کے اسلاف تھے اور ''ون'' اور ''وُ'' کے احکام کو نافذ کیا جن کو انہوں نے اپنے سامنے بطور نمونہ رکھا۔

کنفیوشس نے اچھی حکومت کے لیے تین اصول بتائے ہیں۔ خوراک کی افراط، فوجی ساز و سامان کی فراہمی اور حاکم پر عوام کا اعتماد۔ ایک شخص نے پوچھا کہ ان میں سے کسی ایک کو چھوڑنا پڑے تو کیسے چھوڑیں جواب دیا فوجی ساز و سامان کو پھر سائل نے پوچھا کہ اگر باقی دو میں سے کسی ایک کو ترک کرنا ہو تو وہ بولا خوراک کو ترک کر دو۔ مرنا تو ایک دن ہے ہی لیکن جب حاکم پر سے اعتماد اٹھ جائے گا تو ملک تباہ ہو جائے گا۔ کنفیوشس کے اصول و ضوابط کے مطابق ضروری ہے کہ حکمران اعلیٰ اخلاق کا حامل ہو کیونکہ عوام ہمیشہ حکام کی تقلید کرتے ہیں حاکم کا اخلاق اچھا ہو گا تو عوام بھی اچھی ہو گی۔ کنفیوشس فطرت انسانی کا بہت علمدار تھا اور کہا کرتا تھا کہ میں نے ایک شخص بھی ایسا نہیں دیکھا جو نیکی کا بھی اتنا ہی خواہاں ہو جتنا وہ حسن و جمال کا شیدائی ہوتا ہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ مناسب تربیت سے انسان کی مخفی تعمیری صلاحیتوں کو بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''علم حاصل کرو خواہ تمہیں چین جانا پڑے۔''

خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب نے کتاب ''محمد رسول اللہ ﷺ (جلد سوئم)'' میں چینی قوم کے بارے میں لکھا ہے کہ۔۔۔

اہل تکوین ترغیبی پروگرام بناتے ہیں۔

جنوری ۱۹۶۰ء میں ایک مجلس میں حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا۔

"چینی قوم کے لئے ایک لاکھ ترغیبی پروگرام انسپائر کئے جاتے ہیں یہ محب قوم ایک پروگرام بھی رد نہیں کرتی سب کی سب انسپائریشن قبول کر لیتی ہے"

چین کے قبائل یا جوج ، ماجوج کی ذریت ہیں وقت آئے گا کہ چین پوری دنیا پر حکمراں ہو جائے گا ٹیکنالوجی اور اقتصادی ترقی کی بنا پر اقوام عالم چین کے زیر تصرف آجائیں گی۔

کنفیوشس کے اقوال۔۔

☆ نیک زندگی ، لمبی زندگی سے بہتر ہوتی ہے۔

☆ تیز اور بلیغ زبان شک پر مبنی ہے ایسی زبان دوسروں میں غصے کے جذبات پیدا کر سکتی ہے۔

☆ جب آپ دیکھتے ہیں کہ آپ نے غلطی کی ہے تو کیا اس کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں؟ کیا آپ اس

غلطی سے سبق سیکھ کر اپنے اپ کو تبدیل کرتے ہیں؟ تاکہ آپ ایسی غلطی دوبارہ نہ کریں اگر آپ ایسا کرتے ہیں تو یہ بہت غیر معمولی بات ہے۔

☆ تم اگر معمولی قسم کے چاول اعلیٰ قسم کے چاول سمجھ کر کھاتے ہو یا پانی کو شراب سمجھ کر پیتے ہو تو اس میں خوئی خاص بات نہیں اصل بات یہ ہے کہ جو کچھ تم نے کھایا یا پیا ہے اس کو تم نے ایمانداری اور محنت سے حاصل کیا ہو۔

☆ اہل عقل معمولی معاملات میں لچکدار ہوتے ہیں لیکن زندگی گزارنے کے لیے سخت اصول اپناتے ہیں۔

☆ موسموں کو دیکھو اور مشاہدہ کرو کہ زندگی کس طرح وجود میں آتی اور چلی جاتی ہے ۔۔۔ تم عقل مند ہو جاؤ گے۔

☆ کچھ لوگ حوصلے کو اعلیٰ ترین صلاحیت قرار دیتے لیکن عقل مند لوگ اخلاق کو اعلیٰ ترین صلاحیت قرار دیتے ہیں۔

☆ سخاوت اور فیاضی آگ اور پانی سے زیادہ "حیات بخش" ہے۔ آگ سے لوگ جل کر مر جاتے ہیں ، پانی میں لوگ ڈوب کر مر جاتے ہیں لیکن سخاوت اور فیاضی لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتی۔

☆ شریف لوگوں کی نشانی ہے کہ وہ تحمل مزاج ہوتے ہیں وہ ان لوگوں سے انتقام نہیں لیتے جو انہیں مناتے ہیں۔

☆ فیاض بن کر دوسروں سے محبت کرو۔ عقل مند بن کر دوسرے لوگوں کو سمجھو۔ ایک اچھا حکمران اچھے لوگوں کو محاسبہ کرنے کا اختیار دیتا ہے۔ اچھے دوست بن کر دوسروں کو عقل مندی کی نصیحت کرو۔ ان کی رہنمائی اپنی بصیرت سے کرو اگر لوگوں پر آپ نصیحت کا اثر نہیں ہوتا تو انہیں کچھ مت کہا۔

☆ اگر تم کسی کو ملازم رکھو تو تمہارا فرض ہے کہ اس ملازم کی حوصلہ افزائی کرو۔ حوصلہ افزائی کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ مل کر کام کرو ان کو سست نہ کہو۔

☆ اگر تم دوسروں پر حکمرانی کرتے ہو تو ان کی چھوٹی غلطیوں کو نظر انداز کرو اور قابلیت اور صلاحیت کے مطابق ان کو ترقی دو۔

☆ اگر تم دولت مند ہو جاؤ تو تمہیں اپنی دولت پر اترانا نہیں چاہئے ایک گھر، گھر ہی ہوتا ہے یہ کوئی محل ہو یا جھونپڑی، کھانا، کھانا ہی ہے یہ کسی شاندار دعوت میں کھایا جائے یا سادگی سے کھایا جائے۔

☆ عقل مند لوگوں میں شرافت اور خودداری ہوتی ہے حوصلہ اور رحم ہوتا ہے یہی خصوصیات ان کی پہچان ہیں۔

☆ جب کوئی تمہارے ساتھ غلط برتاؤ کرے تو اپنی قوت ارادی سے اس کے خلاف مزاحمت کرو اگر کوئی تمہاری بہت زیادہ عزت کرے جس کے تم حق دار نہ ہو تو اس شخص کے شر سے بچ کے رہو۔

☆ تمہیں اچھا کام کرتے ہوئے زخمی بھی ہونا پڑے تو کوئی بات نہیں لیکن دیانتداری کو زخمی نہیں ہونا چاہئے۔

☆ تمہارے الفاظ میں دیانتداری ہو اور تمہارے اعمال مخلص ہوں تو تمہارے دشمن بھی تمہاری عزت کریں گے۔۔

خیال ٹکرایا اور دماغ کی اسکرین پر بکھر گیا۔ خد و خال واضح نہیں تھے لیکن خیال بھی بے معنی نہیں تھا۔ خیال کو بساط ملی تو خد و خال واضح ہونے لگے۔ لکیریں ملتی گئیں، نقش ابھرنے لگے اور رنگ بھرتے گئے۔ ذہن محوِ خیال تھا اور خیال پانی کی لہروں کی طرح گہرائی سے نکل کر سطح پر مظہر بن رہا تھا۔ تصویر مکمل ہو رہی تھی اور بالآخر خیال مختلف رنگوں میں ڈھل کر مضمون کی صورت سامنے تھا۔ قانون یہ بنا کہ ارادے کی تکرار سے خیال مظہر بنتا ہے۔

ایک ارادہ بندے کا ہے اور ایک اس کے رب کا۔ آدمی جب ارادہ کرتا ہے تو اسے وسائل درکار ہوتے ہیں۔ وہ محنت و مشقت اور وقت کا پابند ہوتا ہے اور خالق کے ارادے اور وسائل کو استعمال کر کے ارادے کی تکمیل کرتا ہے۔ ہم جب درخت لگانے کے لئے بیج زمین میں بوتے ہیں تو بیج فوراً درخت نہیں بن جاتا۔ بیج کو پانی ملتا ہے۔ پانی جب مٹی کے ذرات میں دبے بیج سے ٹکراتا ہے تو اس تکرار سے بیج کی سطح کو چیر کر پودا بن جاتا ہے اور پھر وہ پودا بتدریج بڑھ کر تناور درخت بن جاتا ہے۔ بیج میں پورا درخت موجود تھا۔ ہمیں درخت لگانے کا خیال آیا۔ ہم نے بیج بونے کے خیال پر عمل کیا تو اس خیال کی لہریں کائنات میں بکھر گئیں۔ بیج کی نشو و نما کے لئے جو وسائل جہاں جہاں موجود تھے سب متوجہ ہوئے۔ پھر پانی کی تکرار سے، مٹی کی تکرار سے، سورج کی حرارت کی تکرار سے بیج درخت بنا۔ ہواؤں کی تکرار نے درخت کو تازگی بخشی اور چاند کی کرنوں کی تکرار نے اس کے پھلوں میں مٹھاس پیدا کی۔ یعنی ہم نے ارادہ کیا تو وسائل خالق کے حکم سے بیج کی آبیاری کے لیے متحرک ہو گئے۔ اور ایک معین وقت کے بعد بیج مکمل درخت بن گیا۔ اللہ فرماتے ہیں:

''انسان ناقابلِ تذکرہ شے تھا۔ ہم نے اس کے اندر اپنی روح ڈال دی پس یہ بولتا، سنتا، سمجھتا اور محسوس کرتا انسان بن گیا۔'' (۷٦:۱۔۲)

مٹی کا جسم ایک پتلا ہے جسے اللہ نے روح کی تحریکات کو ظاہر کرنے کے لیے میڈیم بنایا ہے۔ آدمی بے ہوش ہو جائے، اسے آواز دیں، کان موجود ہیں، وہ سنے گا نہیں۔ ہاتھ اٹھائیں، ہاتھ گر جائے گا۔ اس لیے کہ آدمی وقتِ مقررہ تک بے ہوش رہتا ہے اور اس دوران جسم حرکت نہیں کرتا۔ اس دوران انجیکشن لگا کر جسم کے کسی عضو کا کاٹ کر کھال دوبارہ سی دی جائے تو مریض کو پتہ نہیں چلتا۔ عورت یا مرد بقا سے فنا کی طرف جاتے ہیں تو یہ حیثیت بے ہوشی کے مقابلے میں مزید وضاحت طلب ہے۔

لاش کا پوسٹ مارٹم کیجیے۔ کوئی عضو کاٹ کر میز پر رکھ دیجیے... اب کیا ہوگا...... آپ برملا کہیں گے بے جان جسم میں پیوند کاری نہیں کی جاتی اس لیے پیوند کاری کا کوئی فائدہ نہیں۔

قارئین یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ مرے ہوئے آدمی کی آنکھ زندہ آدمی کے لگادی جاتی ہے۔۔۔ مرنے سے پہلے آدمی وصیت کرتا ہے کہ میرے جسم کا عضو کسی کے لگایا جاسکتا ہے لیکن یہ بات مدِ نظر رہے کہ زندگی کے موت میں تبدیل ہو جانے کے بعد ایک مخصوص وقت تک عضلات میں حرکت رہتی ہے۔ جیسے ہی اعضاء کے ٹشوز Dead ہوتے ہیں پھر ان کی پیوند کاری ممکن نہیں۔ آخر کس شے نے اس جسم کو حرکت میں رکھا؟

روح کے بارے میں اللہ نے فرمایا:

یہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے روح میرے رب کے امر سے ہے۔(۸۵:۱۷)

اور رب کے امر کے بارے میں قرآن میں ارشاد ہے:

"اس کا امر یہ ہے جب وہ ارادہ کرتا ہے کسی چیز کا تو کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔"(۸۲:۳۶)

نیا نکالنے والا آسمان اور زمین کا۔ اور جب حکم کرتا ہے ایک کام کو تو یہی کہتا ہے اس کو کہ ہو، وہ ہو جاتا ہے۔(۱۱۷:۲)

اللہ کے قانون میں استثنا نہیں۔ روح کو اللہ نے اپنا امر قرار دیا ہے۔ روح اللہ کے حکم سے ہر کام کر سکتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب روح ہر شخص میں موجود ہے تو پھر ہر شخص کے ارادے کی تکمیل کیوں نہیں ہوتی اور اگر ہو جاتی ہے تو اسے اتنے مراحل سے کیوں گزرنا پڑتا ہے۔ جبکہ اسی روح کے بارے میں اللہ کہتا ہے کہ ہمارا کام تو ایک دفعہ ہی ایسے ہو جاتا ہے، جیسے آنکھ جھپکنا۔(۵۰:۵۴)

عظیم روحانی سائنسدان حضور قلندر بابا اولیا سورۃ یٰسین کی آخری آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"کن فیکون کی بات اسی وقت پوری ہو سکتی ہے جب اس آیت کا کام پورا ہو جائے۔ اللہ جل شانہ فرماتا ہے

انما امر ہ اذا اراد شیئا ان مقول لہ کن فیکون یعنی اس کا امر یہ ہے کہ جب وہ ارادہ کرتا ہے کسی چیز کا تو کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ اذا اراد شیا جب وہ ارادہ کرتا ہے کسی چیز کا، زیادہ چیزوں کا نہیں۔ کتنی ہی چیزوں کا وہم یا خیال آتا ہے تو سارے (Gates) اوپن ہو جاتے ہیں جو اشیا سے منسوب ہیں، آپس میں ٹکراتے ہیں۔ ٹکرانے کے معنی یہ ہیں کہ کوئی گیٹ (Open) رہتا ہے اور کوئی (Close) ہو جاتا ہے۔ نتیجہ کچھ بھی نہیں نکلتا۔ یہاں اللہ خاص طور پر "امر" کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ارادہ ہونا چاہیے ایک چیز خیال میں آئے تو اسے رد کرنے والی کوئی چیز دماغ میں نہیں آنی چاہیے یعنی کہ پہلے ہاں کہنا، پھر نہ کہنا یہ اصول ہی غلط ہے۔ یہ دراصل قرآن پاک کے منافی ہے۔"

زندگی خیالات پر قائم ہے۔ خیال لاشعور سے واہمہ کی صورت میں آتا ہے۔ ہر آنے والا خیال پندرہ سیکنڈ تک قائم رہتا ہے۔ پھر دوسرا خیال آتا ہے اور پھر تیسرا۔ ذہن ایک خیال پر مرکوز ہو جائے تو یہ تصور میں ڈھل کر احساس اور مظہر بن جاتا ہے۔ واہمہ، خیال، تصور، احساس، مظہر سب دماغ کے Gates ہیں۔ ایک آدمی ارادہ کرتا ہے۔ اس پر قائم نہیں رہتا اور منٹوں یا گھنٹوں میں ارادہ بدل دیتا ہے۔ پھر دوسرا ارادہ کرتا ہے۔ جب تک ذہن ایک نقطہ پر مرکوز نہیں ہو گا نتیجہ نہیں نکلے گا۔ ذہن کا ایک نقطہ پر مرکوز ہونا ارادے کی تکرار ہے۔ اگر کسی خیال کو رد کرنے والا دوسرا خیال آجائے تو پہلا خیال واپس لاشعور میں چلا جاتا ہے۔ خیال رد ہونے کی صورت میں شک بڑھتا ہے جبکہ ذہنی مرکزیت قائم ہونے سے یقین کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔

اللہ قرآن پاک کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ کتاب ہدایت ہے ان لوگوں کے لیے جن کے دماغ میں شک نہیں، جو ذہن میں انے والے خیالات کو رد نہیں کرتے بلکہ غور کرتے ہیں اور حقائق کا کھوج لگاتے ہیں۔ کارخانہ قدرت میں ہر شے میں رموز حقائق کے سمندر ہیں لیکن مادیت میں بند آدمی انہیں دیکھ کر سرسری طور گزر جاتا ہے۔ جو نظر نہیں آتا وہ اس کے لیے موجود ہی نہیں اس لیے وہ بینا ہوتے ہوئے بھی اندھا ہے۔ حقیقت کی دنیا کیسے روشن ہو۔ مادیت کا یہ خول کیسے ٹوٹے جواب قرآن میں ہے۔ اللہ نے قرآن پاک میں لوگوں کو تحقیق و تلاش اور تفکر کی طرف متوجہ کیا ہے۔ توجہ، جستجو، غور و فکر اور تحقیق و تلاش دراصل ذہن اور ارادے کی تکرار ہے۔ حرکت اور ارادے کا ایک نقطہ پر مرکوز ہونا ہے۔

تکرار کا قانون کیسے کام کرتا ہے۔ حضور قلندر بابا اولیاؒ نے پانی اور کنکر کی مثال سے اسے سمجھایا ہے۔ تجربہ کیجیے اور تالاب میں کنکر پھینکیے، کنکر تہہ میں پہنچا تو لہریں اٹھنا شروع ہوئیں۔ کنکر کے تصادم سے پانی اپنا باطن یعنی حرکت کو ظاہر کرتا ہے۔ جو لہریں حرکت کی صورت میں سطح تک پہنچیں وہ پانی کے باطن میں موجود ہیں اسی لیے واقع ہوتی ہیں۔ یعنی پانی میں حرکت پہلے سے موجود ہے۔ کنکر پھینکنے پر حرکت نے اپنا مظاہرہ کیا۔

قلندر بابا اولیاؒ نے کنکر کو ارادہ کہا ہے اور کنکر کا پانی سے تصادم یا پانی میں حرکت پیدا ہونا توجہ کا مرکز ہے۔ یعنی جب ارادے میں تکرار واقع ہوئی تو توجہ کا مرکز ہے۔ یعنی جب ارادے میں تکرار واقع ہوئی تو توجہ کا عمل شروع ہوا۔ ارادے کی تکرار کو توجہ کہتے ہیں۔ ارادہ لاشعوری طور پر بھی تکرار کرتا ہے۔ ایسے میں توجہ بھی لاشعوری ہوتی ہے لیکن ارادہ توجہ چاہے شعوری ہو یا لاشعوری نتیجہ لازمی ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاؒ تکرار کے قانون سے مزید پردہ اٹھاتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ ''کنکر جو لاشعوری ہے وہ کائناتی ذہن کا ارادہ ہے۔ یہی اللہ کا ''امر'' ہے۔ امر میں یعنی کائناتی ذہن میں برابر تکرار ہوتی رہتی ہے۔ یہ کبھی تکرار کے بغیر نہیں ہوتا۔ یہ کنکر یعنی ''امر'' کی تکرار ہی ''کتاب المبین'' ہے۔ کتاب المبین کی تکرار سے مظاہر قدرت یا کائنات رونما ہوئی۔ تکرار کبھی ذہن کی اوپری سطح پر نہیں ہوتی بلکہ ذہن کی گہرائی میں واقع

ہوتی ہے۔جب کنکر پانی کا باطن مظاہر کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ یہ مظاہر پانی میں موجود ہے۔ لیکن تکرار واقع نہیں ہوئی تھی۔ وہ باطن جس میں تکرار واقع نہیں ہوئی، صرف مفرد حرکت ہے۔اسی کو غیب کہتے ہیں۔''

ایک اور تجربہ کیجیے۔ گلاس میں پانی لیجیے اور ذرا فاصلے سے سارا پانی کسی صاف، ہموار، سفید رنگ کی دیوار پر پھینکیے۔ کیا ہو گا؟ پانی کی چھینٹیں جیسے ہی دیوار سے ٹکرائیں گی دیوار پر نقش و نگار بنتے جائیں گی۔اس دیوار کو غور سے دیکھیے۔ آپ کو مختلف اشکال بنتی، غائب ہوتی اور پھر ایک نئی صورت میں نظر آئیں گی یہاں تک کہ تصویریں ایک ایک کر کے غائب ہو جاتی ہیں اور آخر میں پھر وہی سفید دیوار ہوتی ہے۔

دیوار پر بننے والی تمام تصاویر گلاس میں موجود پانی میں موجود تھیں۔ گلاس میں جب تک پانی تھا مادی آنکھ کے لیے پانی میں موجود اشکال کے خدوخال واضح نہیں تھے۔ پانی اور دیوار کا تصادم ہوا تو تصویروں نے اپنا مظاہرہ کیا۔ مظاہرہ کر کے غائب ہو کر دوسری شکل میں ظاہر ہوئیں اور ہوتے ہوتے آخر سب غیب بن گئیں۔ یہی کائنات ہے اور یہی اس کا نظام ہے۔ایک وجود فنا ہو کر دوسرے وجود کو دوام بخش رہا ہے اور دوسرا وجود تیسرے کو۔ یعنی کائنات میں موجود ہر شے مخفی رشتہ میں جڑی ہوئی ہے۔

قلندر بابا اولیاء نے تمثیل بیان کی ہے:

واہمہ سے لے کر مظہر تک ہر شے کائنات میں پہلے سے موجود ہے۔ لاشعور سے انے والا ہر خیال پندرہ سیکنڈ تک دماغ پر دستک دیتا ہے۔ایک منٹ میں 60 سیکنڈ ہوتے ہیں۔اس حساب سے ایک منٹ میں چار اور ایک گھنٹے میں 240 اطلاعات خیال بن کر دماغ کی اسکرین پر وارد ہوتی ہیں۔ جس خیال پر توجہ کی، وہ غیب سے مظہر بن جاتا ہے۔ جس خیال کو رد کیا وہ واپس لاشعور میں چلا جاتا ہے۔ غیب ہو یا شہود، ظاہر ہو یا باطن سب کائنات میں ہیں۔بس دیکھنے والی نگاہ چاہیے۔ مولانا رومؒ نے فرمایا ہے:

آدمی دید است باقی پوست است

دید آں باشد کہ دید دوست است

حضور قلندر اولیاءؒ فرماتے ہیں۔''ارادے کی تکرار ارادے کی قوت ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ارادہ سوالاکھ بار ہی دہرایا جائے لیکن ارادے میں اتنی قوت ہونی چاہیے جو سوالاکھ بار دہرانے سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر وہ قوت موجود ہے تو ایک حرکت کافی ہے۔''

سو جب وہ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو اس سے صرف اتنا کہہ دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے (۶۸:۴۰)

ابدال حقؒ مزید فرماتے ہیں کہ ’’کبھی ایسا ہوتا ہے اور زیادہ تر اس زمانے میں ۹۹۹ فی ہزار ایسا ہی ہوتا ہے کہ سوا لاکھ بار دہرایا ہوا ارادہ بھی ایک بار کی قوت سے آگے نہیں بڑھتا۔ دراصل ارادہ دہرایا ہی نہیں جاتا کیونکہ جن الفاظ کے ذریعے ارادے کو دہرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ وہ الفاظ دہرانے والے انسان کے ذہن میں اپنی کوئی تصویر یعنی معنی کے خدوخال پیدا نہیں کرتے۔‘‘

کائنات میں ہر شے شکل وصورت رکھتی ہے۔ خیال بھی شکل وصورت رکھتا ہے۔ ہوائی جہاز بنانے والے کو پہلے خیال آیا۔ ارادے نے تکرار کی اور خیال ہوائی جہاز بن گیا۔ یعنی خیال میں ہوائی جہاز کی مکمل تصویر تھی۔ موجد ہوائی جہاز کی شکل سے واقف نہیں تھا لیکن وہ فاصلوں کو کم کرنے کے لیے پرندے جیسی کوئی شے ایجاد کرنا چاہتا تھا۔ اس کے ذہن میں پرندے کی تصویر موجود تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہوائی جہاز اور پرندے کے خدوخال میں مماثلت ہے۔ اسی طرح خوشی، غم، محبت اور نفرت کے خیالات بھی شکل وصورت رکھتے ہیں۔ ایک بندہ تکرار کرتا ہے کہ میرا مستقبل اچھا ہو جائے۔ میرا مستقبل اچھا ہو جائے۔ میرا مستقبل اچھا ہو جائے۔ وہ کیا بننا چاہتا ہے یہ اس کے ذہن میں واضح نہیں لیکن وہ تکرار کرتا ہے کہ میرا مستقبل اچھا ہو جائے۔ تو کیا یہ تکرار مظہر بنے گی۔۔۔؟

تکرار کا یہ قانون ہر فرد کی زندگی کا حصہ ہے۔ آپ طالب علم ہیں اور کسی مضمون پر تحقیق کر رہے ہیں جب تک ارادے میں توجہ نہیں ہو گی، تحقیق مکمل نہیں ہو گی۔ آفس کے کام بھی ارادے میں توجہ کے بغیر ممکن نہیں۔ کچن میں ارادے کی تکرار کا مظاہرہ پکوان کی صورت میں ہوتا ہے۔ سائنس دان تحقیق کرتا ہے۔ اس کی ایجاد خیال میں توجہ اور ارادے کی تکرار کے علاوہ کچھ نہیں۔ کچھ لوگ غم کی تکرار کرتے ہیں۔ ان کی غمگین لہریں کائنات میں پھیلتی ہیں اور ہر اس شے کو متحرک کرتی ہیں جو پریشانیوں کا سبب بنتی ہے۔ پریشانی والے وسائل متحرک ہو کر اس فرد کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور نتیجہ میں پریشانیاں کڑی در کڑی اپنا مظاہرہ کرتی ہیں۔ یہی حال خوشی کا ہے۔ اسی قانون کے تحت اللہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ میرا شکریہ ادا کرتے ہیں میں ان کی نعمتیں بڑھاتا ہوں۔ اور جو ناشکری کرتے ہیں ان کے لیے میرا عذاب سخت ہے۔

صرف احساسات نہیں تمام مظاہرہ قدرت میں تکرار کا قانون کام کر رہا ہے۔ اللہ نے اس کائنات کو تخلیق کرنا چاہا تو کن فرمایا۔ تخلیق آج بھی جاری ہے۔۔۔ کن فیکون کی بازگشت جاری ہے۔۔۔ انسان ہر لمحہ سانس لیتا ہے۔ سانس کی تکرار زندگی ہے۔ سانس کی تکرار سے زندگی ہر لمحہ مظہر بن رہی ہے۔ جس دن تکرار ٹوٹی، وقت ختم ہو جائے گا۔ سورج چاند، دن رات، ستارے سیارے سب تکرار کر رہے ہیں۔ مومن ہر سانس کے ساتھ کن فیکون کی صدا سن رہا ہے۔ وہ نور کی فراست سے دیکھتا ہے۔ اس لیے جب وہ ارادہ کرتا ہے کسی چیز کا تو کہتا ہے ہو اور وہ کام ہو جاتا ہے۔

بقول علامہ اقبال:

یہ کائنات ابھی نا تمام ہے شاید
کہ آرہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

مادی آنکھ اور غیر مرئی انسان

کائنات میں ہر شے دو رخوں پر قائم ہے۔ یہ دونوں رخ جہاں ایک دوسرے کا الٹ ہیں وہاں ایک دوسرے سے متصل بھی ہیں۔ بالکل کاغذ کے ورق کے دو صفحوں کی طرح جو ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہوئے بھی الگ نہیں۔ انسانی جسم بھی دو رخوں سے مرکب ہے۔ ایک مرئی اور دوسرا غیر مرئی۔ مرئی رخ ٹھوس ہے اور مادی عناصر سے مرکب ہے۔ غیر مرئی رخ میں ٹھوس پن نہیں۔

یہ روشنیوں کا جسم ہے۔ جسے جسم مثالی کہتے ہیں اور یہ مادی جسم سے ۹ انچ کے فاصلے پر پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔

رخ چاہے مرئی ہو یا غیر مرئی، دونوں شکل و صورت رکھتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ مادی آنکھ غیر مرئی رخ کو نہ دیکھ سکے لیکن روح غیر مرئی رخ کو ایسے ہی دیکھتی ہے جیسے ہم ٹھوس وجود کو دیکھتے ہیں۔ جب تک حرکت اکہری ہوتی ہے، مادی آنکھ سے اوجھل ہوتی ہے جب دوسری لہر اس سے ٹکراتی ہے تو گراف پیپر کی طرح تانے بانے بن جاتے ہیں اور روشنیوں کا جسم وہ لباس اختیار کر لیتا ہے جسے مادی آنکھ دیکھ سکے۔

مثلث عالمِ ناسوت یعنی شعوری دنیا کو ظاہر کرتا ہے۔ مثلث میں تانے بانے سے بننے والی مخلوق آدمی ہے۔ آدمی روشنی کو نہیں دیکھ سکتا اس لیے روشنی خود کو ظاہر کرنے کے لیے مادی خد و خال اختیار کرتی ہے اور نگاہ رنگ دیکھنا شروع کر دیتی ہے۔

اطلاع کے مظاہرہ کا بھی یہی فارمولا ہے۔ اطلاع کو مظہر بننے کے لیے پانچ مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ واہمہ، خیال، تصور، احساس اور مظہر۔ واہمہ اور خیال میں اکہری حرکت کام کرتی ہے۔ اس کا تعلق لاشعور سے ہے۔ جبکہ تصور اور احساس کا تعلق شعور سے ہے۔ خیال میں جب رنگ بھرتے ہیں تو خد و خال نمایاں ہو جاتے ہیں اور احساسِ مظہر یا تصویر بن کر سامنے آجاتا ہے۔ واضح رہے کہ یہ تصویر واہمہ اور خیال کے اسٹیج پر بھی مکمل بنی ہوئی ہے۔ لیکن چونکہ روشنیوں پر قائم تھی اس لیے مادی آنکھ نہ دیکھ سکی۔ لیکن جیسے ہی روشنیوں کے خد و خال نے خود کو ظاہر کرنے کے لیے مادی وجود اختیار کیا، شعور نے اسے دیکھ لیا۔

حرکت اکہری ہو یا دوہری لہروں پر قائم ہے۔ لہر روشنی ہے۔ مادی اور غیر مادی دونوں رخوں کی بساط روشنی ہے۔ طولانی ہو یا عرضی ہر لہر مخصوص صفت رکھتی ہے اور کسی نہ کسی نقش و نگار کو ظاہر کرتی ہے۔ کوئی لہر آنکھ تو کوئی کان، ناک یا ہونٹ کو، کسی لہر میں ہاتھوں کی معین مقداریں ہیں تو کسی میں سر اور بال اور پیر کی۔ یہ سب لہریں جب ایک دوسرے سے ملتی ہیں تو جسم بنتا ہے۔ گراف پر تصور بنا کر یہ مثال سمجھی جاسکتی ہے۔

رب العالمین کے علوم لاشمار اور لامحدود ہیں۔ اللہ کا ہر علم اللہ کی صفات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

زمین میں جتنے درخت ہیں اگر وہ سب کے سب قلم بن جائیں اور سمندر (دوات بن جائے) جسے سات مزید سمندر روشنائی مہیا کریں تب بھی اللہ کی باتیں (لکھنے سے) ختم نہ ہوں گی۔ بے شک اللہ زبردست اور حکیم ہے۔(۳۱:۲۷)

تصوف کے نقطہ نظر سے اختصار سے بیان کیا جاتا ہے۔انسانی جسم میں چھ روشنی اور نور کے قمقمے ہیں۔ یہ قمقمے تصوف میں لطائف کے نام سے جانے جاتے ہیں ان کو ''لطائف ستہ'' یا چھ لطائف کہا جاتا ہے۔ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ نفس

۲۔ قلب

۳۔ جسم

۴۔ سر

۵۔ خفی

۶۔ اخفی

نقطہ واحدہ......اخفی....نقطہ واحدہ وہ مقام ہے جہاں اللہ کی تجلی کا نزول ہوتا ہے۔ یہ نقطہ ہر انسان کے اندر موجود ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

اس نے زمین اور آسمانوں کی ساری ہی چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا(۴۵:۱۳)

کائنات نور اور روشنی سے مرکب ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ انسان کے اندر روح کے قابل تذکرہ پرت تین ہیں۔اصطلاحی نام:

۱۔ روح حیوانی

۲۔ روح انسانی اور

۳۔ روح اعظم

یہ تین پرت دراصل تین ورق ہیں، ایک ورق میں دو صفحہ ہوتے ہیں۔ ہر پرت پر ایک رنگ غالب ہے۔ شعوری اعتبار سے (روحانی نہیں) یہ تین پرت رنگ زرد، سبز اور نیلا رنگ ہیں یا یہ رنگ غالب نظر آتے ہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

در حقیقت تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔(۷:۵۴)

فی ستہ ایام سے مراد چھ لطائف ہیں۔ ایام یوم کی جمع ہے اور یوم سے مراد دن اور رات ہیں۔ ہر دن ہر رات دراصل قدرت الٰہی کی لامحدود نشانیوں پر محیط ہے۔

سورہ رحمٰن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

زمین اور آسمانوں میں جو بھی ہیں سب اپنی حاجتیں اسی سے مانگ رہے ہیں۔ ہر آن وہ نئی شان میں ہے۔(۵۵:۲۹)

اللہ تعالیٰ کی لامحدود صفات ہیں اور یہ لامحدود صفات تجلی کا عکس ہیں۔

مادی وجود دراصل اصل وجود کا عکس ہے اور یہ وجود بھی لہروں پر قائم ہے۔ لہر Line Life ہے۔ اسی لہر کی وجہ سے مادی وجود متحرک اور زندہ ہے۔ اگر لہروں کا نزول رک جائے تو مادی وجود یا میٹیریل لائف ختم ہو جائے گی اور آدمی مٹی کے ذرات میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں:

آدم کو بنایا ہے لکیروں میں بند
آدم ہے انہی لکیروں میں خورسند
واضح رہے جس دم یہ لکیریں ٹوٹیں
روکے گی نہ ایک دم اسے مٹی کی کمند

ہم نے چھ لطیفوں کا تذکرہ کیا ہے آدمی لطائف، تجلیات، انوار، روشنی اور روشنی کی قسموں سے واقف نہیں ہے (واقف اس لئے نہیں کہ اس طرف توجہ ہی نہیں دی جاتی) اس لئے تصوف کا یہ علم پردہ بنا ہوا ہے۔

آدمی بیداری کے حواس سے واقف ہے لیکن آدھی زندگی (خواب کی زندگی) بھی اس لئے واقف نہیں کہ یہ علم سیکھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ یہ علم آسمانی کتابیں، قرآن اور احادیث میں موجود ہے۔

اگر میں انگریزی پڑھا ہوا نہیں ہوں یا انگریزی صرف اتنا پڑھا ہوا ہوں کہ رومن انگریزی میں لکھا ہوا خط پڑھ سکتا ہوں۔ لکھ سکتا ہوں تو یہ پڑھائی نہیں ہے۔ قرآن وحدیث کے بارے میں بھی ہم پڑھے ہوئے ہونے کے باوجود کماحقہ نہیں سمجھتے اور اس پر عمل بھی نہیں ہوتا۔

زبان کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس زبان کی گرامر، تلفظ، اظہارِ بیان اور ترجمہ سے کماحقہ واقفیت ہو۔ جو نہیں ہے۔

نماز میں روزانہ الحمد شریف، چاروں قل، سورۃ کوثر اور تسبیح پڑھتے ہیں لیکن ہمیں نہیں معلوم کہ کیا پڑھتے ہیں۔ آسمانی کتابوں اور آخری کتاب قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ عربی زبان سے پوری طرح واقفیت ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق:

یہ اللہ کی کتاب ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے (۲:۱)

اللہ ابتدا ہے اللہ انتہا ہے، اللہ ظاہر ہے، اللہ باطن ہے۔ واحد ذات خالق کائنات اللہ ہے جو قادر مطلق ہے۔ اللہ رگ جان سے زیادہ قریب ہے۔ اللہ عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ بندہ جو کچھ کرتا ہے اللہ دیکھتا ہے، بندہ جو کچھ چھپاتا ہے اللہ پر ظاہر ہے، جس کو جتنا چاہے رزق عطا فرماتا ہے۔ نیند عطا فرماتا ہے جو موت کی مثال پیش کرتی ہے، بیدار کرتا ہے جو زندگی کو واضح نشانی ہے۔ اللہ ہر چیز پر محیط ہے۔ اللہ جس کو چاہے عزت دیتا ہے جس کو چاہے عزت نہیں دیتا۔

دروبست سب کچھ کائنات کے خالق اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان جب خالق کائنات اللہ کے تصور کے بغیر کائنات کو دیکھتا ہے تو اس کی نظروں سے حقیقت او جھل ہو جاتی ہے اور وہ فریب کو حقیقت سمجھ بیٹھتا ہے لیکن جب وہ اللہ پر یقین لاتا ہے اور مومن بن جاتا ہے تو نور کی فراست سے دیکھتا ہے اور پھر اس کے سامنے ہر حقیقت نمایاں ہو جاتی ہے۔

کہو بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو نہیں رکھتے دونوں برابر ہوتے ہیں (اور) نصیحت تو وہی پکڑتے ہیں جو عقلمند ہیں۔ (۹:۹۳)

اللہ کے دوست، ولی اللہ جو ماورائی دنیا اور ناسوتی دنیا میں موجود جسم پر تفکر کرتے ہیں تو ان پر یہ حقیقت واضح اور روشن ہو جاتی ہے کہ روح اور جسم دونوں نور اور روشنی سے فیڈ ہو رہے ہیں۔

اسلام میں عورت کے حقوق

رسول اللہ ﷺ کے بارے میں قرآن میں بشارتیں:

''جب ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ کی بنیادوں کو بلند کر رہے تھے تب وہ دعا کر رہے تھے کہ اے سمیع و علیم! اس عمارت کو قبول فرما اور اے ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنا فرماں بردار رکھ اور ہماری رعیت کو بھی فرمانبردار بنا اور اے رب الرحیم! ہم کو جملہ آداب عبادات سکھا اور ہماری فرمانبردار رعیت ہی میں سے ایک عظیم الشان رسول مبعوث فرما جو پڑھے ان پر تیری آیتیں اور سکھائے ان کو کتاب اور حکمت کی باتیں اور ان کو سنوارے تو ہی ہے اصل زبردست حکمت والا۔'' (۱۲۷:۲۔۱۲۹)

''عیسیٰؑ بن مریم نے کہا، اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، میں تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہے تصدیق کرتا ہوں اور میں اس رسول کی تم کو بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا اس کا نام ''احمد'' ہوگا۔''(۶۱:۶)

''اور جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ میں تم کو جو کتاب اور حکمت عطا کروں اور پھر تمہارے پاس وہ پیغمبر آئے جو ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہو جو تمہارے پاس ہیں، تم ضرور اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔ اللہ نے فرمایا۔ کیا تم اس عہد کا اقرار کرتے ہو؟ تو انہوں نے کہا بے شک ہم اقرار کرتے ہیں، اللہ نے فرمایا اب تم اس عہد پر گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ بنتا ہوں۔''(۳:۸۱)

''(پس میں ان کے لئے رحمت لکھ دوں گا) پیروی کریں گے رسول کی وہ نبی امی ہوگا اور اس کے ظہور کی خبر وہ اپنے یہاں تورات اور انجیل میں بھی پائیں گے، وہ انہیں نیکی کا حکم دے گا اور برائی سے روکے گا اور پسندیدہ چیزیں حلال کرے گا اور گندی چیزیں حرام ٹھہرائے گا اور اس بوجھ سے نجات دے گا جس کے تلے وہ دبے ہونگے، اور ان پھندوں سے نکالے گا جن میں وہ گرفتار ہوں گے تو جو لوگ اس پر ایمان لائے اس کے مخالفوں کے لئے روکتے ہوئے (راہِ حق میں) اس کی مدد کی اور اس روشنی کے پیچھے ہوئے جو اس کے ساتھ بھیجی گئی ہے (یعنی قرآن) سو وہی ہیں جو کامیابی پانے والے ہیں۔ اے پیغمبر! تم لوگوں سے کہو، اے لوگو! میں تم سب کے لئے اللہ کا رسول ہوں اور وہ اللہ ہے اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کے لئے ہے، کوئی معبود نہیں مگر وہ ایک ذات، وہی جلاتا، وہی مارتا ہے، پس اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول اور نبی امی پر جو اللہ اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے، اس کی پیروی کرو تاکہ کامیابی کی راہ تم پر کھل جائے۔''

(۷:۱۵۷۔۱۵۸)

''اور پھر کیا حال ہوگا اس دن جبکہ ہم ہر ایک امت میں سے ان پر ایک گواہ طلب کریں گے اور ہم تم کو ان سب پر گواہ بنائیں گے۔ تو جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور رسول کی نافرمانی کی وہ اس دن یہ پسند کریں گے کہ کاش (وہ دھنس جائیں اور) زمین ان کے اوپر برابر ہو جائے۔ اور اس دن یہ اللہ سے کوئی بات بھی چھپی نہیں رکھ سکیں گے۔'' (۴:۴۱-۴۲)

''محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ (صحابہ) ان کے ساتھ ہیں۔ وہ منکروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم خو ہیں۔ تو ان کو دیکھے گا جھکنے والے، سجدہ کرنے والے اور طریقہ سے خدا کے فضل اور اس کی رضا کے خواہشمند ہیں۔ ان کی نشانی یہ ہے کہ ان کے چہروں پر سجدے کے نشانات ہیں۔ تورات اور انجیل میں ان کا ذکر اسی طرح ہے۔'' (۴۸:۲۹)

سیدنا حضور ﷺ کی نبوت و رسالت کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ نبی ﷺ ساری دنیا کے لئے واحد مذہب ''دین اسلام'' لے کر تشریف لائے۔

''ہم نے تجھے تمام انسانوں کے لئے بشارت پہنچانے والا، ڈر سنانے والا بنا کر دنیا میں رسول بنایا ہے۔'' (۳۴:۲۸)

تمام پیغمبروں اور مذہبی شخصیتوں میں محمد (ﷺ) سب سے زیادہ کامیاب ہیں۔'' (مقالہ نگار: انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا)

''پیشوائے دین اسلام محمد (ﷺ) کی زندگی دنیا کو بے شمار قیمتی سبق پڑھا رہی ہے اور آپ کی ہر حیثیت اور آپ ﷺ کی زندگی کا ہر پہلو دنیا کے لئے ایک بہترین سبق ہے بشرطیکہ کوئی دیکھنے والی آنکھ، سوچنے والا دماغ اور محسوس کرنے والا دل رکھتا ہو۔''

(از محمد، مصنفہ پروفیسر مارگیولیس)

''میں نے محمد (ﷺ) کی تعلیمات کو بغور پڑھا ہے جو انہوں نے خلقِ خدا کی خدمت اور اصلاح اخلاق کے لئے دی ہے۔ میری رائے ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم بھی اسلام کی ہدایتوں پر عمل کرے تو وہ بہت کچھ ترقی کر سکتا ہے۔ میرے خیال میں موجودہ زمانہ میں سوسائٹی کی اصلاح کا سب سے بہتر طریقہ یہی ہے کہ اسلام کی تعلیم کو رائج کیا جائے۔''

(جرمنی کا مشہور پروفیسر ہوگ)

’’میں دنیا کے مذاہب کا مطالعہ کرنے کا عادی ہوں، میں نے اسلام کا بھی مطالعہ کیا ہے بانی اسلام ﷺ نے اعلیٰ اخلاق کی پاکیزہ تعلیم دی ہے۔ جس نے انسان کو سچائی کا راستہ دکھایا اور برابری کی تعلیم دی ہے۔ میں نے قرآن مجید کا ترجمہ بھی پڑھا ہے۔ اس میں مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ سب کے لئے مفید باتیں اور ہدایتیں ہیں۔‘‘

(مہاتما گاندھی)

’’جب ہم اس نظام پر غور کرتے ہیں جس میں پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی نبوت اور رسالت کا علم بلند کیا اور جس میں ایک ایسا کامل مجموعہ قوانین تیار کیا گیا ہے جو دنیا کی ملکی، مذہبی اور تمدنی ہدایتوں کے لئے کافی ہے۔ تو ہم نہایت حیران ہوتے ہیں کہ ایک ایسا عظیم الشان ملکی اور تمدنی نظام جس کی بنیاد کامل اور سچی آزادی پر ہے۔ کس طرح قائم کیا گیا ہے؟ پس ہم دل سے اقرار کرتے ہیں کہ اسلام ایک ایسا مجموعہ قوانین ہے جو ہر لحاظ سے بہترین ہے۔‘‘

(موسیو اوجبیل کلوفل)

’’محمد (ﷺ) نے عورت کے حقوق کی ایسی حفاظت کی کہ اس سے پہلے کسی نے نہ کی تھی اس کی قانونی ہستی قائم ہوئی۔ جس کی بدولت وہ مالِ وراثت میں حصہ کی حقدار ہوئی۔ وہ خود اقرار نامے کرنے کے قابل ہے اور برقع پوش مسلمان خاتون کو ہر شعبہ زندگی میں وہ حقوق حاصل ہوئے جو آج بیسویں صدی میں اعلیٰ تعلیم یافتہ آزاد عیسائی عورت کو بھی حاصل نہیں ہیں۔‘‘ (مسٹر پیٹر کریبسؔ)

’’حضرت محمد (ﷺ) کے حالاتِ زندگی پر نظر ڈالنے کے بعد کوئی انصاف پسند شخص ان کی اولوالعزمی، اخلاقی جرات، نہایت خلوص نیت، سادگی اور رحم و کرم کا اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پھر انہی صفات کے ساتھ استقلالِ عزم اور حق پسندی و معاملہ فہمی کی قابلیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ یقینی بات ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی سادگی، لطف و کرم اور اخلاق کو بلا خیال مرتبہ قائم رکھا۔ (لیفٹیننٹ کرنل سائیکس)

تاریک زمانے میں اندھیروں کو روشنیوں میں تبدیل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی لطف و کرم سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دنیا میں بھیجا۔ رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا:

’’میں کوئی نئی بات نہیں کہہ رہا ہوں، مجھ سے پہلے پیغمبروں نے اللہ وحدہ لاشریک کا جو پیغام پہنچایا ہے میں بھی وہی پیغام لے کر آیا ہوں کہ اللہ ایک ایسی ہستی ہے جس کا کوئی شریک نہیں، جو مخلوق کو تخلیق کرنے والا ہے اس جیسا کوئی نہیں اور نہ اس کا کوئی شریک ہے وہ ہر ضرورت سے ماورا ہے، وہ نہ سوتا ہے اور نہ اسے غنودگی آتی ہے، نہ وہ کسی کا باپ ہے اور نہ اس کی کوئی اولاد اس کا کوئی خاندان نہیں۔‘‘

احمد۔۔۔ محمد ﷺ دنیا میں اس لئے بھیجے گئے کہ انبیاء کی تعلیم، توحید کا مشن پورا ہو۔ جو زمین کے باسی آدمؑ و حوا کی اولاد کے لئے مخلوق اور خالق کے درمیان واسطہ اور رابطہ ثابت ہو تا کہ تخلیق کا منشا پورا ہو۔

رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات نے دنیا کی تاریخ کی دھارا موڑ دیا۔

ارشاد ہے:

''ہمیں اس لئے پیدا کیا ہے کہ ہم اُس ہستی کو پہچانیں، جس نے ہمیں اس دنیا میں بھیجا ہے اور کہیں سے بھیجا ہے، پھر اس دنیا میں آنے کے بعد ہمارا وجود غیب و شہود کی فلم بن گیا۔

ایک سال گزرا سراپے میں واضح تبدیلی آگئی، بچپن غائب ہو کر لڑکپن ظاہر ہوا وقت اور گزرا تو آدمی جوانی کے منہ زور گھوڑے پر سوار ہو گیا یہ تنومند نوجوان ظاہر و غائب ہوتے ہوئے ایسی منزل پر پہنچ گیا جس میں اعضا کمزور، مضمحل اور سکڑ گئے، پہلے گھٹنوں میں آبیاری کم سے کم ہوتی گئی آدمی قد کاٹھ سے چھوٹا نظر آنے لگا، پھر کمر جھکنے لگی اور ہاتھ میں لاٹھی آگئی۔ ستاروں کو دیکھنے والی آنکھیں دھندلا دیکھنے لگیں پھر ایک وقت ایسا آیا کہ دھند بھی نظر نہیں آئی۔ سیاہ چمکدار بال جن میں خون دوڑتا تھا۔ سرخ ذرات کی جگہ وائٹ آر ٹیکلز آگئے۔ بال اڑ گئے اور پھر بالوں نے کیا رنگ اختیار کیا یہ آپ سب جانتے ہیں۔

حاضر و غائب کا سلسلہ پیدائش کے پہلے دن سے شروع ہوا اور عمر کے آخری وقت تک اسی طرح قائم رہا۔۔۔ اور پھر زمین میں اس طرح غائب ہو گیا کہ ایک چھ فٹ قد کاٹھ کا آدمی مٹی بن گیا اور پھر مٹی سے خاک بن گیا۔''

ہادی برحق محمد رسول اللہ ﷺ نے ان تمام واقعات سے اس طرح پردہ اٹھایا کہ ہر باضمیر آدمی کا دل روشن اور منور ہو جاتا ہے۔

بندہ اپنے خالق کو اس وقت پہچان سکتا ہے جب اس کا ہر عمل اللہ کے لئے ہو۔ معاشرت، معیشت، جنگ و امن، غرض زندگی کے ہر شعبے میں رسول اللہ ﷺ خود عملی تفسیر ہیں۔

سورہ الانعام میں ارشاد ہے:

''میری نماز میرے تمام مراسمِ عبودیت اللہ کے لئے ہیں۔''(۶:۱۶۲)

اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی پیغمبر نہیں آئے گا۔ دین کی تکمیل ہو چکی ہے۔

سورہ سبا میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اور ہم نے رسول اللہ ﷺ کو تمام انسانوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں۔''(۲۸:۳۴)

بحیثیت خاتم النبیین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ بین الاقوامی سطح پر انسانیت کے لئے ایک دستورِ زندگی اور اجتماعی نظام متعارف کرایا جائے جو انسانی فطرت کے عین مطابق ہو اور جس کے ذریعے فرد، معاشرہ اور اقوام عروج اور ترقی کی منزلیں طے کر سکیں یہ جامع دستور، کامل دین اور مکمل نظام جو ہر خطہ زمین اور زمانے کے لیے کارآمد اور ممکن عمل ہے۔ قرآن پاک نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرتِ طیبہ کو اہلِ ایمان کے لئے اسوہ حسنہ قرار دیا ہے۔

مذہب اسلام امن کا داعی، صداقت کا علمبردار اور انسانیت کا پیامبر ہے۔ اسلام کا پیغام یہ ہے کہ تمام افرادِ کائنات اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں خالقِ کائنات کے ارشاد کے مطابق وہ شخص پسندیدہ ہے جو آسمانی کتابوں اور آخری کتاب قرآن پر عمل پیرا ہو۔

حضرت محمد ﷺ نے مذہبی رواداری کی محض تلقین نہیں فرمائی بلکہ عملی اقدامات بھی فرمائے۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ''میں کوئی نئی بات نہیں فرمارہا بلکہ وضاحت کر رہا ہوں جو مجھ سے پہلے پیغمبروں نے فرمایا۔''

حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات غیر مسلم اقلیتوں کو مذہبی رواداری اور مذہبی آزادی کی ضمانت فراہم کرتی ہیں اور ان کے جان و مال، عزت و آبرو اور مذاہب کے عقائد اور عبادت گاہوں کو تحفظ دیتی ہیں۔

روحانی بندہ

ابدالِ حق قلندر باباؒاولیاءؒ 1898ء میں قصبہ خورجہ ، ضلع بلند شہر ، یوپی ، بھارت میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران اپنے نانا شہنشاہ ہفت اقلیم باباتاج الدین ناگپوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔انہوں نے اپنے پاس روک لیااور روحانی تربیت فرمائی۔ تقسیمِ ہند کے بعد آپ مع اہل و عیال کراچی تشریف لائے۔ حضرت ابوالفیض قلندر علی سہروردیؒ سے ملاقات ہوئی جنہوں قطب ارشاد کی تعلیمات تین ہفتے میں پوری کر کے خلافت عطافرمائی پھر شیخ نجم الدین کبریٰؒ کی روح پُر فتوح نے تعلیم دی۔

یہ سلسلہ یہاں تک پہنچا کہ خاتم النبیین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے براہ راست علمِ لدنی عطافرمایااور سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہمت و نسبت کے ساتھ بارگاہ ربِ العزت میں حاضری ہوئی اور اسرار ورموز کا علم عطاہوا۔

قلندر باباؒاولیاءؒ بچپن سے انتہائی ذہین تھے۔ والدہ حضرت سعیدہ بی بیؒ اور والد حضرت حسین مہدی بدیع الدین شیر دلؒ کی تربیت کا اثر تھا کہ آپ چھوٹی عمر سے باادب تھے۔اچھے برے کی تمیز تھی۔پڑھائی کے وقت توجہ سے پڑھتے اور ساتھیوں کے ساتھ محبت سے پیش آتے تھے۔

بلند شہر میں ہائی اسکول تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ علی گڑھ میں قیام کے دوران طبیعت میں درویشی کی طرف زیادہ میلان بڑھاتو مولانا کابلیؒ کے حجرے میں وقت گزارنے لگے۔اسی اثنا میں نانا تاج الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔نانا تاج الدینؒ نے اپنے پاس ناگپور میں روک لیا۔

والد صاحب کو علم ہواتو وہ ناگپور آئے اور باباتاج الدینؒ سے عرض کیا کہ اس کی تعلیم نامکمل رہ جائے گی،اسے واپس علی گرھ بھیج دیجیے۔

استادوں کے استاد،واقف اسرار ورموز،حاملِ علم لدنی باباتاک الدینؒ نے فرمایا،

’’اس کو اگر اس سے زیادہ پڑھایا گیا جتنا یہ اب تک پڑھ چکا ہے تو یہ میرے کسی کام کا نہیں رہے گا۔‘‘

والد صاحب نے مشفق باپ کی طرح بیٹے کو سمجھایااور جب دیکھا کہ بیٹے کا میلانِ طبع فقر کی طرف مائل ہے تو فرمایا،

’’بیٹے!تم خود سمجھ دار ہو،جس طرح سے چاہو،اپنا مستقبل تعمیر کرو۔‘‘

نانا تاج الدینؒ نے نوسال نواسے کی روحانی تربیت فرمائی اور رموز کی علمی توجیہ سمجھائی۔ تربیت کے زمانے کت واقعات میں سے چند کا تذکرہ ابدالِ حق نے کتاب "تذکرہ تاج الدین باباؒ" میں کیا ہے۔ نانا تاج الدینؒ کے بارے میں فرماتے ہیں،

"وہ صرف خصوصی مسائل ہی نہیں بلکہ عام حالات میں بھی اپنی گفتگو کے اندر ایسے مرکزی نقطے بیان کر جاتے تھے جو براہ راست قانونِ قدرت کی گہرائیوں سے ہم رشتہ ہیں۔ بعض اوقات اشاروں اشاروں ہی میں وہ ایسی بات کہہ جاتے جس میں کرامتوں کی علمی توجیہ ہوتی اور سننے والوں کی آنکھوں میں یکبارگی کرامت کے اصولوں کا نقشہ آجاتا۔ کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا کہ ان کے ذہن سے تسلسل کے ساتھ سننے والوں کے ذہن میں روشنی کی لہریں منتقل ہو رہی ہیں اور ایسا بھی ہوتا کہ وہ بالکل خاموش بیٹھے ہیں اور حاضرین من و عن ہر وہ بات اپنے ذہن میں سمجھتے اور محسوس کرتے لے جاتے ہیں جو ناناؒ کے ذہن میں اس وقت گشت کر رہی ہے۔ بغیر توجہ دیئے بھی ان کی غیر ارادی توجہ لوگوں کے اوپر عمل کرتی رہتی تھی۔ بعض لوگ یہ کہا کرتے کہ ہم نے باباصاحبؒ کے اس طرزِ ذہن سے بہت فیضان حاصل کیا ہے۔ یہ بات تو بالکل عام تھی کہ چند آدمیں کے ذہن میں کوئی بات آئی اور یکایک ناناؒ نے اس کا جواب دے دیا۔"

قلندر باباؒ کے اس قول میں نانا تاج الدینؒ کے کائناتی ذہن اور اُس ماحول کی جھلک ہے جس میں نوسال ان کی تربیت ہوئی یہاں تک کہ اپنے ناناؒ کا ذہن (روحانی ورثہ) منتقل ہوا۔

بمبئی کے ایک سیٹھ نے نانا صاحبؒ کم خواب کا قیمتی لباس ازراہِ عقیدت پیش کیا۔ انہوں نے سیٹھ کے سامنے لباس پہن لیا اور کچھ دیر تک اس کی دلجمعی کے لئے جھونپڑی میں ٹہلتے رہے۔ سیٹھ کے جانے کے بعد جھونپڑی کی کچی زمین کی گیلی مٹی کو جو کیچڑ بن گئی تھی، ہاتھ میں لے کر قیمتی لباس پر جگہ جگہ ملنا شروع کر دیا اور ساتھ ساتھ یہ کہتے جاتے کہ کیا میں اس کپڑے کی خاطر اپنی زندگی خرچ (ضائع) کر دوں؟

یہ تربیت کا ایک انداز تھا کہ دینے والے کا دل رکھا اور نواسے پر بھی اس حقیقت کو ظاہر کیا کہ اس دنیا کی قیمتی سے قیمتی شے بھی مٹی ہے۔

قلندر باباؒ فرماتے ہیں کہ اس دن سے میری نظر میں قیمتی اشیا کی حیثیت ختم ہو گئی۔

قربت سے ذہن (طرزِ فکر) منتقل ہوتا ہے۔ قلندر باباؒ کی زندگی اپنے ناناؒ کی قربت کا آئینہ اور گفتگو معنوی نکات کا بیش بہا خزینہ ہے۔

قلندر باباؒ کے ایک شاگرد پروفیسر شیخ فقیر محمد فرماتے ہیں کہ تمام حاضرینِ مجلس باباصاحبؒ کی گفتگو سنتے تھے یا پڑھنے والے پڑھتے تھے مگر ان کا ادراک و فہم آفرینی ان کو میسر آئی جن کا ذہن قلندر باباؒ کے قربِ ذہنی سے ہم آہنگ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ واشگاف انداز میں فرمایا،

''ہم آپ کا مطلب سمجھ گئے تھے۔ ہم ذہن پڑھتے ہیں، الفاظ اور ان کے معانی ہمارے سامنے نہیں ہوتے۔ مرشد کریم نے ہمیں خلافت یونہی نہیں دے دی تھی۔''

باطنی علوم کے بحرِ ذخّار اور عشق و محبت کے روزدار قلندر باباؒ اولیاؒ علم شے کے امین ہیں۔ وہ انسان کی صلاحیتوں کے بارے میں فرماتے ہیں،

''انسانی طبیعت میں ہر شے کا علم موجود ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی روح کے اندر روحانی انسان بھی ہے اور یہی روحانی انسان ان تمام صلاحیتوں کا حامل ہے جو نیابت کے منصب پر فائز ہونے کے لئے ضروری ہیں۔''

ابدالِ حق نے اپنا روحانی ورثہ شاگردِ رشید، محترم عظیمی صاحب کو منتقل کیا۔ 16 سال شب و روز ان کے ساتھ قیام کیا اور تربیت و اصلاح فرمائی۔ تربیت کے دوران شعور کی مزاحمت بڑھی تو پیر و مرشد نے ایک دن بٹھا کر فرمایا۔

''یاد رکھئے! انسان کو جس فطرت پر پیدا کیا ہے، وہ فطرت خود مختار نہیں ہے۔ انسان کی ساخت ہی اس بنیاد پر کی گئی ہے کہ یہ پابند ہو کر زندگی گزارے لہذا ضروری ہے کہ خود مختار زندگی سے آپ کنارہ کش ہو جائیں اور اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیں۔ آپ کے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے کہ آپ کسی کو اپنا بنالیں۔ آپ کے اندر یہ صلاحیت بر درجہ اتم موجود ہے کہ آپ دوسرے کے بن جائیں۔''

تعمیل حکم سے استاد کی شخصیت شاگرد کے اندر میں نقش ہو گئی۔

محترم عظیمی صاحب فرماتے ہیں،

''دوپہر تھی۔۔۔ میں مرشد کریم کے پاس تھا۔ فرمایا خواجہ صاحب! کیسی اندھیری رات ہے؟ یک بیک نگاہوں کے سامنے سے پردہ ہٹا اور میں نے دیکھا کہ ہر سو اندھیرا ہے۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے فرمایا، اوہ! یہ تو دن ہے۔ میرا ذہن پیر و مرشد کے ذہن میں جذب ہے لہذا دیکھا کہ دن کی روشنی ہر طرف پھیل چکی ہے۔ غور کیا تو دو باتیں سمجھ میں آئیں۔ ایک یہ کہ مرشد کریم قلندر باباؒ اولیاؒ بیک وقت کئی عالمین میں مصروف رہتے تھے۔ بہت ممکن ہے کہ جس وقت انہوں نے یہ بات کہی کہ کیسی اندھیری رات ہے۔۔۔ اس وقت وہ کسی ایسے عالم میں موجود ہوں جہاں رات کا وقت ہو۔ دوسری بات ذہن میں آئی کہ انہوں نے دیکھنا چاہا ہو کہ میرا یہ مرشد میرا تصرف کس حد تک قبول کرتا ہے اور تر انہوں نے ارادتاً یہ بات کہی ہو جس کا میں نے کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔''

بے ثبات دنیا کی حقیقت سمجھاتے ہوئے ایک روز ابدالِ حق نے فرمایا،

''خواجہ صاحب! اس دنیا سے جب بھی کوئی جاتا ہے تو کچھ بھی ساتھ نہیں لے جاتا۔ وہاں جو چیز ساتھ جاتی ہے، وہ خوشی ہے۔ اگر آپ اس دنیا میں خوش ہیں تو وہاں بھی خوشی آپ کا استقبال کرے گی۔ خوشی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب آدمی ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرے۔ جو حاصل ہے، اس پر صبر و شکر کے ساتھ قناعت کرے اور جو چیز میسر نہیں، اس کا شکوہ نہ کرے۔ اللہ کی نعمتوں کے حصول کے لئے بھرپور جدوجہد کرے۔ ہر حالت میں خوش رہنے سے بندہ راضی برضا ہو جاتا ہے۔''

اولیاءاللہ کی زندگی علم و اخلاق سے عبارت ہے کیونکہ اخلاق کے بغیر علم مکمل نہیں ہوتا۔ قلندر باباؒ خلیق و ملنسار تھے۔ ایک صاحب نے تحفے میں سویٹر پیش کیا جو ان کی جسامت سے بڑا تھا۔ شاگرد رشید نے ان کی جانب دیکھا تو انہوں نے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور ان صاحب کے جانے کے بعد فرمایا،

''خواجہ صاحب! ان صاحب کے ذہن میں جو میرا امیج تھا، وہ اس امیج کے مطابق سویٹر لے ائے۔ اگر آپ کچھ کہہ دیتے تو ان کا دل ٹوٹ جاتا۔ اب جب کہ انہوں نے مجھے دیکھ لیا ہے تب بھی ان کے ذہن میں یہ بات نہیں ائی کہ یہ سویٹر میری جسامت کے لحاظ سے بڑا ہے وہ اسی امیج کے زیر اثر رہے۔''

اونچی آواز میں بات کرنا سخت ناپسند تھا۔ وہ فرماتے تھے، ''ارے بھئی، اہستہ بولا کرو، بلاوجہ کیا بلڈ پریشر ہائی کرنا۔''

کوئی کہتا کہ عادت ہو گئی ہے تو فرماتے، ''کیا عادت بن گئی ہے؟ بنالی ہے، صحیح کر لو۔''

ان کی نصیحت ہے کہ بات اتنی آواز میں کی جائے کہ آواز کمرے سے باہر نہ جائے۔

چیزیں ترتیب سے مقررہ جگہ پر رکھتے تھے۔ جوتے اتارنے کے بعد جھاڑ کر برابر رکھتے۔ جوتے غیر متوازن رکھنا پسند نہیں تھا۔

عیب گوئی اور راز افشا کرنا انتہائی غیر اخلاقی عمل ہے۔ ابدالِ حق نے شاگردوں کو تلقین کی، ''کسی کے راز یا خامی سے واقف ہو جائیں تو بیان نہ کریں اور نہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔''

ایک اور موقع پر فرمایا،

"آدمی دو طرح کے ہوتے ہیں۔ایک انسان ہوتے ہیں اور دوسرے وہ جو لوگوں کو تنگ کرتے ہیں۔ تنگ کرنے والے سینگ مارتے ہیں جیسے بیل خوامخواہ سینگ مارتا ہے۔اپنی غرض سے غرض رکھو۔ کسی کے کام میں دخل مت دو۔ کسی پر مسلط ہونے کی کوشش مت کرو اور نہ ٹوہ میں لگو کہ کوئی کیا کر رہا ہے۔"

ایک مجلس میں سوال کیا گیا کہ گیبی دنیا میں سفر کرنے والے اکثر سالکین کے حالاتِ زندگی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ انہوں نے عشقِ مجازی سے گزر کر عشقِ حقیقی کی منزل میں قدم رکھا۔اس کی وجہ کیا ہے؟انہوں نے فرمایا،

"تاریخ کے اوراق پلٹنے سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ عشقِ مجازی۔۔۔ عشقِ حقیقی کے لیے پہلا قدم ہوتا ثابت ہوتا ہے۔ صنفِ نازک سے عشق کرنے والا کوئی بندہ اگر ہوس اور جنسی جذبات کے دھاروں میں خود کو نہ بہنے دے تو اس کی شعوری صلاحیتیں سہ چند (تین گنا) ہو جاتی ہیں اس لئے کہ صنفِ نازک کے اندر نسمہ* کی دو لہریں ہمہ وقت اور ہر آن جاری و ساری ہے جبکہ مرد کے اندر ایک لہر کام کرتی ہے۔ مشیت نے ایسے لوگوں کی افتادِ طبیعت یہ بنائی ہے کہ وہ لوگوں کے کام آئیں، ان کی خدمت کریں، ان کے ساتھ عجز و انکسار کے ساتھ پیش آئیں۔ان کی طبیعت میں یہ نقش اتنا گہرا ہوتا ہے کہ جب بندے کو اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری کا شرف نصیب ہوتا ہے تو اس کے اوپر یہ احساس محیط ہوتا ہے کہ میرا سر خالقِ کائنات کے قدموں میں ہے۔"

*نسمہ کی تعریف قارئین پڑھ چکے ہیں۔

قلندر بابا اولیاءؒ عمیق النظر، سلیم الطبع، سخن سنج، ادیب اور ارفع تخیل کے شاعر تھے۔ صحافت سے بھی وابستگی رہی۔ان کی تصانیف لوح و قلم، رباعیات اور قدرت کی اسپیس رموز و معانی کا بحرِ ذخّار ہے۔ فارسی میں بھی کلام کہا۔ قلندر بابا اولیاءؒ کے غیر مطبوعہ فارسی کلام سے دو اشعار کا ترجمہ یہ ہے،

ایک زمانے سے میں نے اپنی (زندگی کی) کشتی پانی میں بہادی ہے۔ درد اور بندگی کے معاملات کو عجز و زاری سے سازگار کیا۔

شمع اگر پروانے کے خرمن میں آگ لگانا چاہے تو دیوانگی کے مذہب میں اطاعت کے سوا اور کوئی راستہ نہیں۔

اردو کے دو اشعار ملاحظہ فرمایئے،

ے ہائے اس رنگین چہرے کا نظام

بت کدے کی صبح میخانے کی شام

ہو گا تری محفل میں کوئی اور بھی جلوہ

مجھ کو تو محبت ہی محبت نظر آئی

محترم عظیمی صاحب فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی باباصاحبؒ کے سینے میں سے خوشبو کی لپٹیں اٹھتی تھیں اور یہ خوشبو مشک کی ہوتی تھی۔ جب ایسا ہوتا تو میں ان کے مقدس سینے پر سر رکھ کر اس خوش بو کو سونگھتا تھا اور میرے اوپر مستی اور بے خودی کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

ایک صاحب نے خواجہ صاحب کے بارے میں ابدالِ حق کی رائے جاننا چاہی تو فرمایا،

''خواجہ صاحب کو میں نے سل میں پیس کر سرمہ بنا دیا ہے۔ یا اسے پھونک مار کر اڑا دو یا اسے آنکھ میں ڈال لو۔''

انتقال سے تین گھنٹے قبل شاگردِ رشید محترم عظیمی صاحب سے فرمایا، ''مجھ سے مصافحہ کرو۔''

اس سے پہلے کبھی کسی سے یہ بات نہیں فرمائی تھی۔ ۲۷ جنوری ۱۹۷۹ء کو وصال ہوا۔

ابدالِ حق کی ایک فارسی رباعی ہے،

(زین مفرش آستانہ برخستہ گیر

یا جلوہ ماہ چہرہ آرستہ گیر

وز گفت عظیم برخیاؔ ابیاتے

بر ساز ترانہ و قدح خواستہ گیر)

ترجمہ: سامانِ سفر باندھ لو کہ آستانہ برخاست ہوا۔ چہرے کو چاند کے جلوے سے آرستہ کرو۔ عظیم برخیاؔ کے ابیات پڑھو۔ ترانے کے ساز پر شرابِ معرفت کی آرزو کرو۔

شرارتی بچے

انسانی ذہن اور اس میں چھپی دنیا کا الفاظ کے ذریعے احاطہ اتنا ہی مشکل ہے جتنا کہ سمندر کی گہرائی کا، آپ تیرتے چلے جائیں گے لیکن نہ سمندر ختم ہو گا اور نہ خیالات کا سلسلہ۔ دماغ میں انے والے خیالات کی یہ دنیا دراصل امکانات کی دنیا ہے۔ امکانات کی یہ دنیا کتنی وسیع ہے اور مزید کتنے خزانوں کے سراغ کا پتہ دیتی ہے یہ انسان کے تجسس پر منحصر ہے۔

بچے کی نفسیات کا بغور مطالعہ کریں، اس کی حرکات پر توجہ دیں تو معلوم ہو گا کہ وہ ہر نئی چیز کو ہاتھ لگانا اور اٹھانا چاہتا ہے۔ وہ ایسا کیوں کرتا ہے؟

بچہ ماحول میں موجود چیزوں کو جاننے کی خواہش رکھتا ہے۔ اس کے دماغ میں انے والے خیالات اسے تجسس اور تلاش کی طرف راغب کرتے ہیں کہ یہ کیا ہے اور کیوں ہے۔ اس کا ذہن خیالات کی آماجگاہ ہے۔ ذہن ان خیالات کو قبول کر کے اس میں معنی پہناتا ہے اور کوئی نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔۔۔ دماغ کے اندر جو لہریں کام کر رہی ہیں جب وہ دماغ کے تیسرے حصے میں منتقل ہوتی ہیں تو جو حصہ ان کو یاد رکھتا ہے اس کا نام حافظہ ہے۔ بچہ لائٹ کے سوئچ، الماری کے دروازے، اسٹور اور دوسری رکھی ہوئی چیزوں کو تلاش کر کے ان کو سمجھنے، سوچنے اور ان کی کھوج لگانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی کوشش دراصل ارتقاء ہے۔ اس لیے وہ کسی بھاری چیز کو اٹھانے کی کوشش کرتا ہے، سیڑھی چڑھتا ہے کہ دیکھے آخر یہ راستہ کہاں جاتا ہے چھوٹی چیزوں کی بڑی چیزوں میں پھنسانے کی کوشش کرتا ہے اور بڑی چیزوں کو چھوٹی چیزوں میں ڈالنا چاہتا ہے۔ ہر نئی شے کو دیکھ کر وہ آپ سے سوال کرتا ہے۔ جیسے ہی آپ کا جواب ختم ہوتا ہے اس کے پاس ایک نیا سوال ہوتا ہے۔

ہندوستان کے بادشاہ شہنشاہ اکبر کے وزیر کا نام بیربل تھا۔ ایک روز وہ اپنے چھوٹے بچے کو دربار میں لے آیا۔ بچے نے کسی بات پر ضد کی۔ جب اس کی ضد پوری نہیں ہوئی تو باپ نے پیار سے سمجھایا اور پھر اس کو ڈانٹ دیا۔ اکبر کہا جاتا ہے کہ بہت ذہین بادشاہ تھا۔ اتنا ذہین کہ اس نے اپنا ایک دین بھی بنالیا تھا۔ بادشاہ نے عرض کیا "بادشاہ بچوں میں ضد پوری نہیں ہوتی۔" بادشاہ بولا "نہیں، ضد پوری ہو جاتی ہے۔" بیربل نے باادب سر جھکا کر بادشاہ کے حضور عرض کیا۔ "جہاں پناہ میں بچہ بن جاتا ہوں آپ میری ضد پوری کر دیں۔" ہندوستان کے بادشاہ نے کہا "ہاں بیان کرو۔" بیربل کھڑے کھڑے بچہ بن کر زمین پر بیٹھ گیا۔ پہلے اس نے بچوں جیسی حرکتیں کیں اور پھر بادشاہ سے کہا۔ "مجھے کلیا چاہیے، کلیا چاہیے، کلیا چاہیے۔ ہندوستان کے بادشاہ نے حکم دیا کہ کلیا حاضر کی جائے۔ کہنے کی دیر تھی کہ کلیا یعنی مٹی کی بچوں کے کھیلنے کے لیے ہنڈیا حاضر کر دی گئی، بچہ پہلے خوش ہوا۔ تھوڑی دیر اس کے ساتھ کھیلا اور پھر کہا "اونٹ چاہیے۔" بادشاہ نے حکم دیا اونٹ حاضر کیا جائے۔ تھوڑی ہی دیر گزری کہ اونٹ حاضر کر دیا

گیا۔ اب بچے نے بادشاہ سے کہا اونٹ کو اس کلیے میں بٹھاؤ۔ بچے نے بضد ہو کر کہا میں تو اس کلیے میں اونٹ کو بٹھاؤں گا۔ بادشاہ نے سمجھایا اور بالآخر بچے کو ڈانٹ دیا۔

سوال یہ ہے کہ بچہ چیزوں کو خاموشی سے قبول کیوں نہیں کر رہا جیسے ہم اور آپ کرتے ہیں؟ اس لیے کہ بچہ دینِ فطرت پر پیدا ہوا ہے۔ فطرت کے تقاضے کی ایک وضاحت اللہ کی آخری کتاب قرآن شریف میں موجود ہے:

''اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اس سب کو اپنی طرف سے تمہارا مسخر کر دیا۔''

بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے جو سوچتے ہیں نشانیاں ہیں۔'' (۱۳:۴۵)

بچے میں کھوج اور ہر چیز کو سمجھنے کی خواہش اس کا غور و فکر کی ابتداء تجسس سے ہوتی ہے اور تجسس بچے کو کیا اور کیوں جیسے سوالات کی طرف مائل کرتا ہے۔ یہ تجسس دراصل تلاش ہے۔ اس کے پرانے کھلونوں کے درمیان نیا کھلونا رکھیے، آپ دیکھیں گے کہ اس کی پہلی نظر نئے کھلونے پر پڑے گی۔ یعنی وہ اپنے ارد گرد سے باخبر ہے اور ماحول میں تبدیلی کو فوراً محسوس کر لیتا ہے۔ وہ گائے، بھینس اور بکری کی طرح زندگی نہیں گزارنا چاہتا۔

جب ہر بچہ تجسس کی صلاحیت رکھتا ہے تو عمر کے ساتھ ساتھ اس صلاحیت میں کمی کیوں ہوتی جاتی ہے۔ پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ یہ صلاحیت مکمل طور پر دب جاتی ہے، اب وہ لکیر کا فقیر بن کر زندگی گزارنا شروع کر دیتا ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس لیے کہ یہ والدین پر منحصر ہے آیا وہ اس صلاحیت کو پروان چڑھائیں یا دبا دیں۔ بہت سے والدین یہ ادراک ہی نہیں رکھتے کہ وہ خود اپنے ہاتھوں بچوں کے تجسس کا گلا گھونٹ رہے ہیں۔ اس کے ہر وقت حرکت میں رہنے اور باتیں کرنے کو شرارت کا نام دیتے ہیں۔ اس کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کو ضائع کر کے اس کے ذہن کو محدود کر دیتے ہیں۔

جیسا کہ والدین بچے کو پہلا لفظ ''اللہ'' کہنا سکھاتے ہیں لیکن اسے اللہ سے محبت کرنا نہیں سکھاتے۔ اس کے گرد کھلونوں کا ڈھیر لگا دیتے ہیں لیکن اسے یہ نہیں بتاتے کہ ان کھلونوں کے لیے ماں باپ کو وسائل اللہ تعالیٰ نے فراہم کیے۔ جب ہم اسے چیزیں فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ ان چیزوں کی معلومات اور سورس بھی بتائیں گے تو اس کا تجسس بڑھے گا۔ اسے چیزوں کی اہمیت کا اندازہ ہو گا۔ وہ سولات پوچھے گا۔ سوچے گا۔ اس کے دماغ میں نئے سولات ائیں گے اور والدین، اساتذہ اور ماحول کے بڑوں کو ان کے جوابات کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

والدین بچوں کے سولات، چیزوں کو ہاتھ لگانے اور توڑ پھوڑ سے بیزار نظر آتے ہیں۔ وہ ان کے تجسس کی تسکین نہیں کرتے بلکہ ان چیزوں کو بچے کی پہنچ سے دور رکھ دیتے ہیں۔ یوں اس کے ذہن میں ایک گرہ پڑ جاتی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ بچہ جس چیز کو ہاتھ لگانا چاہتا ہے اگر اس سے بچے کو کسی

نقصان کا خطرہ نہیں تو اسے ہاتھ میں لینے دیں اور اسے بتائیں کہ یہ کیا ہے اور اس سے کیا کام لیا جاتا ہے۔ ہاتھ میں لے کر تھوڑی دیر بعد وہ خود ہی ایک طرف رکھ دے گا۔ اس کو ایسی کہانیاں پڑھ کر سنائیں جن میں ڈر اور خوف نہ ہو بلکہ خوشی اور امید ہو۔ اس سے باتیں کریں۔ اس سے پوچھیں کہ آج اسکول میں کیا ہوا؟ اس کے دوست کیسے ہیں؟ اسے کیا اچھا لگتا ہے اور کیوں؟ وہ کیا بننا چاہتا اور کیسے؟ اسے کون سا کارٹون پسند ہے؟ اس طرح وہ جواب دینا سیکھے گا۔

بچوں کو قریبی پارک میں لے جایئے۔ اسے درخت، پھول، تتلیاں، پھل اور پرندے دکھایئے۔ چڑیا گھر لے جایئے تاکہ وہ مختلف جانور دیکھے۔ چاند ستاروں کی طرف متوجہ کیجیے۔ رنگ بھرنے کو دیجیے اور کھلونوں میں بلاکس بھی شامل کیجیے۔ اب بلاکس (Blocks) کا کیا کرنا ہے اور یہ کیسے بنتے ہیں یہ اسے مت بتایئے، تجسس خود اس کی رہنمائی کرے گا۔ اگر وہ کپ سے پانی گرانا چاہتا ہے تو کپ اس سے دور کرنے کی بجائے اسے کچن میں لے کر جایئے یا پھر باتھ ٹب یا کسی ایسی جگہ جہاں وہ پانی گرا سکے۔ اس سے نہ صرف وہ پانی کا تجربہ کرے گا بلکہ اس میں مسائل کے حل کی صلاحیت بھی پیدا ہوتی جائے گی۔

خاموش رہو اور مجھے تنگ مت کرو جیسے جواب بچے کے تجسس کو ختم کرنے لگتے ہیں جھڑکنے کے بجائے اس کی عمر کے مطابق تسلی بخش جواب دیں یا اسے بتایئے کہ آپ اس وقت مصروف ہیں۔ اگر آپ کو جواب نہیں معلوم تو اسے جھڑکیے نہیں، اس کا ذہن کسی اور طرف لگا دیجیے اور سوسوال اپنے بڑوں سے پوچھیے اور مناسب وقت میں جواب بچے کے ذہن میں نشین کرایئے۔

تجسس بچے کے ذہن کے لیے ایندھن ہے۔ گاڑی میں ایندھن ڈالیں گے تو گاڑی چلے گی بصورتِ دیگر اس گاڑی کی حیثیت پرزوں سے زیادہ نہیں ۔اسی طرح اگر ذہن کا استعمال نہ ہو تو اسے زنگ لگ جائے گا۔

قدرت نے آپ کو ایک صحت مند بچہ عطا کیا ہے۔

اس کی دنیاوی اور روحانی تربیت آپ کی ذمہ داری ہے۔ بچے کا ذہن ایک شفاف کینوس کی مانند ہے کہ جس میں ابتدائی طور پر جو رنگ بھر دیئے جائیں وہ اس کی زندگی کی کامیابی و ناکامی کا تعین کرتے ہیں۔ اس کینوس میں تجسس اور غور و فکر کے رنگ بھریئے۔ بچوں کو سوچنا سکھایئے۔ انہیں ماحول اور ان کے استعمال میں انے والی ہر شے سے متعلق معلومات فراہم کیجیے اور پھر بچے کی فکری پرواز دیکھئے۔

یاد رکھیے! جن بچوں کو غور و فکر کی عادت نہیں ہوتی وہ زندگی بھر کوئی نیا کام نہیں کر سکتے۔ جسمانی طور پر وہ سلامت سہی لیکن فکری طور پر وہ مفلوج ہوتے ہیں۔ تجسس س تلاش، تلاش سے دریافت، دریافت سے مسرت، مسرت سے تکرار، تکرار سے مہارت، مہارت سے نیا فن، نئے فن سے اعتماد، اعتماد سے تحفظ کا احساس اور اس احساس کے بعد ایک نئی دریافت اس کی منتظر رہتی ہے۔

بچے کی کامیابی آپ کے اپنے ہاتھ میں ہے اور تجسس جیسی نعمت قدرت کی طرف سے آپ کے لئے ایک بہت بڑا انعام اور مدد ہے۔ اگر یہ تجسس مثبت سمت میں پروان چڑھے تو عمر کے ساتھ ساتھ بچے کے ذہن کو اس قدر وسیع کر دیتی ہے کہ وہ ہر شے کی گہرائی تک پہنچ جاتا ہے اور پھر قدرت کی تخلیق پر غور کرتے کرتے ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ کائنات کے سربستہ رازوں سے واقف ہو کر خالقِ کائنات کو جان لیتا ہے۔